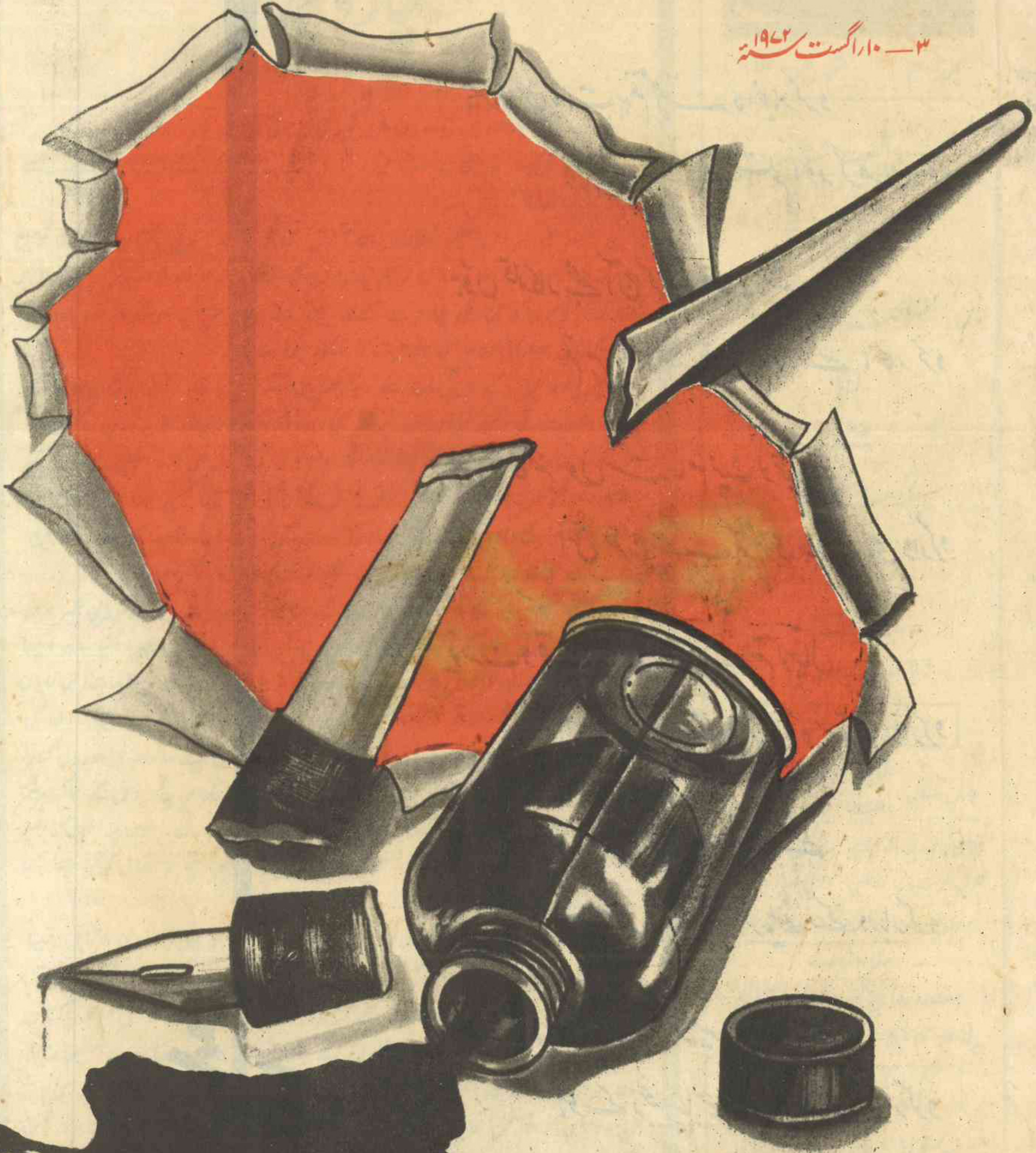
ہفت روزہ
الفتح
کراچی

۳ — ۱۰ اگست سنہ ۱۹۷۲ء

آزادیٔ صحافت کس کے لئے ؟



قیمت —— ۵۰ پیسے
ہوائی ڈاک سے —— ۷۵ پیسے

غزل

آصف ثاقبؔ

میری حق بات پہ تم قہر کا اظہار کرو
چھین لو مجھ سے قلم اور گرفتار کرو

ہوں قلمکار مجھے آج کرو وقفِ نشیب
تم مری رفعتِ پندار سے انکار کرو

میں تو حاضر ہوں سرِ عام نپٹ لو مجھ سے
اس طرح چھپ کر مری جاں نہ کبھی وار کرو

یوسفِ وقت ہے دل اتنا رہے تم کو خیال
اس پر جو ظلم کرو وہ سرِ بازار کرو

ہو شہنشاہ تمہیں کون بھلا ٹوک سکے
میرے لاشے پر اگر بیٹھ کے دربار کرو

شعر کہنا ہے اگر جرم تو میرے ثاقبؔ
ہو کے زنجیر بپا جرم کا اقرار کرو



ادا ریہ

چارو مجمدار

پاکستان کے اخبارات میں ایک دو سطری خبر شائع ہوئی۔

"نکسالی تحریک کے بانی کمیونسٹ لیڈر چارو مجمدار انتقال کر گئے۔ انہیں چند دن پہلے گرفتار کیا گیا تھا"

یہ مختصر سی خبر اس عظیم انسان سے متعلق تھی جس نے مشرقی پاکستان پر بھارتی توسیع پسندوں اور اُس کے اتحادی روسی ترمیم پسندوں کے حملے کی نہ صرف مذمت کی تھی بلکہ انہیں للکارا تھا کہ قوموں کو آزادی جارحیت کے ذریعے سے نہیں ملتی۔ یہ سوشلزم نہیں، جارحیت ہے۔ پاکستان بھارتی اور روسی جارحیت کا شکار ہُوا ہے۔

عظیم چارو مجمدار کے اس بیان سے دنیا بھر میں تہلکہ مچ گیا تھا۔ ریڈیو پاکستان اور پاکستان بھر کے اخبارات نے اسے نمایاں طور پر نشر کیا، اور شائع کیا۔ چارو کا یہ بیان پاکستان کو خوش کرنے کے لئے نہیں جاری ہوا تھا۔ بلکہ اصولوں کی بات تھی اور انہیں اصولوں کو سامنے رکھ کر مغربی بنگال کی مارکسی لیننی پارٹی نے "بنگلہ دیش" میں مسلح جدوجہد کے حامیوں کی بھرپور تائید کی۔ اور اُن سے مکمل تعاون جاری رکھا۔ کہ وہ اپنے آپ کو بھارتی توسیع پسندوں سے نجات دلائیں اور بنگلہ دیش میں صحیح عوامی جمہوریت "قائم کریں۔

اس عظیم شخصیت کے انتقال پر پاکستان کے سرمایہ دار اخبارات میں دوسطری خبر اس بات کی عکاسی کرتی ہے کہ پاکستان میں صحافت پر کن لوگوں کا قبضہ ہے۔ دُنیا نے دیکھا ہوگا کہ ہم کتنے احسان فراموش ہیں۔ اپنے محسن کے لئے نہ بیان دے سکے نہ اخبارات میں نمایاں گنجائش نکال سکے۔ افسوس تو موجودہ حکمرانوں پر ہے کہ وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کی پارٹی انقلابی جماعت ہے۔ مزدوروں، کسانوں کی نمائندگی کرتی ہے۔ اسے مزدوروں، کسانوں اور مظلوم عوام نے کامیاب کرایا ہے۔ مگر اس کے وزیر اس کے عہدیدار اس کے حاکم مہر بلب ہیں۔ بالکل خاموش ہیں۔ چارو مجمدار سے واقف ہی نظر نہیں آتے۔ انہیں پتہ نہیں کہ برصغیر پاک و ہند کے مزدوروں، کسانوں اور مظلوم عوام کا ایک عظیم رہنما انتقال کر گیا ہے، جس کا نام چارو مجمدار تھا۔

یہ چارو کو نہیں جانتے، امریکہ، برطانیہ یا کسی اور ملک کا کوئی بڑا آدمی مرتا تو یقیناً بیان دیئے جاتے۔ چارو کو اس کی ضرورت بھی تو نہ تھی۔ وہ تو ان کے خلاف نبرد آزما رہا ہے۔ اس کی تحریک صرف بھارت کے کسانوں کی تحریکِ آزادی نہ تھی، وہ پاکستان کے کسانوں، مزدوروں اور طالب علموں کے دِلوں کی دھڑکن تھا۔ ایک عظیم رہنما جسے سرمایہ داروں کے اخبارات، جاگیرداروں کے اخبارات میں واقعی جگہ نہیں ملنی چاہیئے تھی۔ وہ اُن کا دُشمن تھا۔ وہ غریبوں کا دوست تھا۔ غریبوں اور مظلوم عوام کا محسن تھا۔ اُسے غریبوں اور مظلوموں کی طرف سے سلام پہنچے۔ اُسے پاکستان کے کسانوں، مزدوروں اور مظلوم عوام کی جانب سے سلام پہنچے۔

خدا کی بستی کے مظلوم عوام کا ترجمان

ہفت روزہ
الفتح
کراچی

جلد۔ ۳ شمارہ۔ ۱۲

۳-۱۰ اگست ۱۹۷۲ء

نگران
شوکت صدیقی

مدیر
ارشاد راؤ

نائب مدیر
وہاب صدیقی

سرورق: اقبال عنرقی

بدل اشتراک — فی پرچہ ۵۰ پیسے، سالانہ ۲۵ روپے، ششماہی ۱۳ روپے

ہوائی ڈاک سے: ۵۵ پیسے، ۳۰ روپے، ۱۶ روپے

بحرین، کویت:۔ ۶۰ فلس دوبئی، قطر: ۵۰ درم

سعودی عرب:۔ ۵ قرش۔ انگلستان ۲ شلنگ ۶ پنس

مقام اشاعت
ہفت روزہ "الفتح"، ۷/۸۔ ڈی نرسری کمرشل ایریا پی ای۔ سی ایچ۔ ایس — کراچی۔ ۲۹

ایڈیٹر پبلشر: ارشاد راؤ

مطبع حقی آفسٹ پریس لیاقت آباد۔ کراچی

ٹیلیفون: ۴۱۲۲۷۴



تم نے اپنا حق ادا کر دیا، اب ہماری باری ہے

عظیم چارو! دشمنوں پر ہماری کاری ضربیں تمہاری یاد گرماتی رہیں گی

وہاب صدّیقی

کامریڈ چارو مجمدار چیئرمین انڈین کمیونسٹ پارٹی (مارکسی لینن) نکسل باڑی تحریک کے بانی اور عظیم قائد ۲۸ جولائی کو انتقال کر گئے۔ ان کی موت کے ساتھ ہی برصغیر پاک و ہند کی انقلابی اور مسلّح جد و جہد کا ایک عہد ختم ہو گیا۔ کامریڈ چارو مجمدار کو ۱۶ جولائی کو بھارتی پولیس نے کلکتہ میں گرفتار کیا تھا گرفتاری کے وقت وہ شدید علیل تھے۔ ان پر حکومت کے خلاف مسلح بغاوت کا الزام تھا۔ بھارتی حکومت کے مطابق ۲۸ جولائی کو کلکتہ کے ہسپتال میں ان کی حرکتِ قلب بند ہو گئی ان کی عمر ۵۶ سال تھی۔

انقلابیوں، مزدوروں اور کسانوں نے اپنے قائد کا سوگ روایاتی انداز میں نہیں منایا۔ اپنے سُرخ پرچم کو سرنگوں نہیں کیا بلکہ انقلابی جد و جہد کو تیز سے تیز تر کرنے کا عزم کیا۔

کامریڈ چارو مجمدار! محنت کشوں کا سُرخ پرچم تمہارے سوگ میں سرنگوں نہیں ہے وُہ تمہارے لیے بلندیوں پر لہرا رہا ہے۔ کیونکہ آزادی اور انقلاب کے پرچموں کو ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ تمہاری موت نے ہم کو لاغر ضرور کر دیا ہے۔ لیکن یہ سوگ منانے، صفِ ماتم بچھانے، چہرہ سوگوار اور آنکھیں اشکبار کرنے کا وقت نہیں ہے۔ کیونکہ ہم حالتِ جنگ میں ہیں۔ انقلابی جنگ کا نقارہ بج رہا ہے۔ تم نے اپنا حصہ ادا کر دیا۔ کتنا عظیم ہے یہ حصہ، اب ہمیں اپنا حصہ ادا کرنا ہے۔ ہم اپنی لڑائیوں میں تمہیں یاد رکھیں گے لیکن تمہارے لیے ماتم نہیں کریں گے۔ ابھی نقصانات کا اندازہ لگانے اور لاشیں گننے کا وقت نہیں ہے۔ اس کا وقت جب آئے گا جب لڑائیاں ختم ہو جائیں گی۔ غیر طبقاتی اور سوشلسٹ معاشرہ قائم ہو چکا ہوگا۔ ابھی تو ہمیں جنگ لڑنی ہے۔ آج ہر وُہ ضرب جو ہم دشمن پر لگائیں گے تمہاری یاد کو ایک خراجِ عقیدت ہو گی کیونکہ انقلابی، انقلابیوں کا سوگ اسی طرح مناتے ہیں !!!

کامریڈ چارو مجمدار کو یہ فخر حاصل ہے کہ انہوں نے ہندوستان کی انقلابی تحریک جو صرف شہروں تک محدود تھی، اسے دیہاتوں تک پھیلا دیا اور ترمیم پسندوں کی انقلاب دشمنی کا پردہ چاک کیا۔ ترمیم پسندوں سے اختلاف کی وجوہ پر روشنی ڈالتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ :-

"ترمیم پسندوں سے ہم تین باتوں پر اختلاف کرتے ہیں :

(۱) ہمارا کہنا یہ ہے کہ جمہوری انقلاب، عوامی جنگ یعنی مسلح جد و جہد کے ذریعے لایا جا سکتا ہے۔

(۲) عوامی جنگ بنیادی طور پر کسانوں کی جنگ ہے اور یہ جنگ بنیادی طور پر دیہاتوں میں لڑی جائے گی

(۳) ... اور آخری بات یہ کہ صرف اور صرف چیئرمین ماؤ کے نظریہ اور حکمتِ عملی سے ہی عوامی جنگ کو کامیاب بنایا جا سکتا ہے !!"

کامریڈ چارو مجمدار نے بھارت کے معاشی اور سماجی حالات کا تجزیہ کرنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا کہ صرف غریب کسان اور کھیت مزدور ہی گوریلا جنگ کے سچے سپاہی ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ کوئی اور گروہ گوریلا دستوں کی صفِ اوّل میں کھڑا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ غریب کسانوں اور کھیت مزدوروں کے دلوں میں جاگیرداری اور وڈیرہ شاہی کے خلاف سب سے زیادہ نفرت ہوتی ہے۔ یہ نفرت طبقاتی کردار کی حامل ہوتی ہے اس لیے ان کو گوریلا جنگ کے ذریعے سیاسی اقتدار حاصل کرنے پر آمادہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ موت سے نہیں ڈرتے اور حق کے لیے جان و مال کی قربانی دینے سے گریز نہیں کرتے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ :

"غریب اور بے زمین کسانوں پر اعتماد رکھو انہیں فکرِ ماؤ زے تنگ کی تعلیمات دو اور مسلح جنگ کے راستے پر عزم رکھو، گوریلا دستے بنا کر طبقاتی دشمنوں کا خاتمہ کر دو ... غریب اور بے زمین کسانوں پر انحصار کرو۔ متوسط درجے کے کسانوں کو اپنے ساتھ ملاؤ، امیر کسانوں کو غیر جانبدار بناؤ اور جاگیرداروں پر وار کرو"

کامریڈ چارو مجمدار نے سامراج، جاگیرداروں اور زمینداروں کو عوام کا دشمن نمبر ایک قرار دیتے ہوئے کہا کہ :-

"ہندوستان کے مظلوم عوام کے دشمن سامراج جاگیردار اور زمیندار ہیں۔ سامراج ایک ایسا جانور ہے جس کے پاؤں دیہات میں ہیں اور سر شہر میں! اگر تم اس کے سر پر ٹھوکر لگاؤ گے تو یہ بھاگ جائے گا اور تمہارے قابو میں نہیں آئے گا لیکن اگر اس کے پاؤں توڑ دو گے تو اس کا سر کچلنے میں آسانی ہوگی۔"

اسی تجزیہ کی روشنی میں انہوں نے ۱۹۶۷ء میں ضلع دارجلنگ کے ایک دیہات "نکسل باڑی" سے اپنی تحریک کا آغاز کیا۔ دارجلنگ میں نمایاں کامیابیاں حاصل ہوئیں پرولتاری انقلاب کی اس چنگاری نے بھارت کے انقلابیوں کو عوامی جنگ کا راستہ دکھایا۔ ۱۹۶۸ء میں مسلّح اور گوریلا جنگ پر یقین رکھنے والے انقلابیوں نے اپنی جد و جہد ایک دوسرے سے مربوط کر دی۔ اتحاد سے انقلاب کی یہ چنگاری جنوب میں سریکاکلم اور شمال میں مشاہری اور لکھم پور کھیری تک پھیل گئی اور اب بھارت کے ۷۰ اہم اضلاع

باقی صفحہ ۳۳ پر ملاحظہ فرمائیں

بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے یا نہ کرنے کا مسئلہ

واقعت حال

قومی اسمبلی کا آئندہ اجلاس ۱۵ اگست کو منعقد ہو رہا ہے اس میں پاکستان کی تاریخ کے اہم ترین سوال پر بحث ہونا تھی جو ملتوی ہو گئی۔ اور وہ سوال بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کا ہے۔

اس سوال پر رائے زنی کرنے والے بادی النظر میں دو فریق ہیں۔ ان میں سے ایک پیپلز پارٹی اور دوسرا حزبِ اختلاف کا ہے حزبِ اختلاف میں سے نیپ اور جمعیت العلمائے اسلام بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کے حق میں اظہارِ خیال کر چکے ہیں۔ یہ دونوں جماعتیں دو صوبوں سرحد اور بلوچستان میں حکمران ہیں۔ جب کہ تینوں مسلم لیگوں میں سے قیوم لیگ اپنی موجودہ صورت میں پاکستان پیپلز پارٹی کے فیصلے کی محتاج ہو گی۔ جمعیت العلما۔ پاکستان (نورانی گروپ) اور مسلم لیگ کے باقی دو دھڑے ابھی فیصلہ نہیں کر پائے ہیں۔ جماعت اسلامی بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کی مخالف ہے۔

پاکستان پیپلز پارٹی ہر چند کہ مرکز میں اکثریتی جماعت کے علاوہ مغربی پاکستان کے دو بڑے صوبوں پنجاب اور سندھ میں حکمران ہے۔ بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے یا نہ کرنے کا فائدہ اور نقصان بھی سب سے زیادہ اسی کو پہنچے گا لہٰذا فیصلہ بھی اُسی جماعت کو کرنا ہے کہ بنگلہ دیش کو تسلیم کیا جائے یا نہیں۔ اس سوال پر بحث سے قبل ہماری نظر میں مشرقی پاکستان کے عظیم المیہ کے پس منظر میں جو شر پسند جاگیردارانہ، سرمایہ دارانہ اور سامراجی طاقتیں سرگرم عمل تھیں اُن کی نقاب کشائی بھی ضروری ہے تاکہ مغربی پاکستان کے مختلف صوبوں میں رہنے والے عوام مختلف قومیتوں اور زبانیں بولنے والے محنت کش عوام یہ سمجھ سکیں کہ وہ کون سے عوامل تھے جنہوں نے مشرقی پاکستان کو مغربی پاکستان سے الگ کر دیا تاکہ جب مغربی پاکستان میں صوبائی خود مختاری کی تحریک چلائیں تو اس کی صحیح عوامی سمت مقرر کر سکیں اور وہ سرمایہ داروں کی قیادت میں چلنے والی خطرناک تحریکوں سے بچ سکیں۔ قیامِ پاکستان کے بعد افسوسناک امر یہ ہے کہ ہم نے ہمیشہ اقتصادی سچائیوں سے گریز کیا۔ اِس کے نتیجے میں پاکستان کے اندر سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کا ایک مٹھی بھر گروہ پیدا ہو گیا۔ جس نے مادرِ وطن کی تمام زرخیز زمینوں، کانوں، کارخانوں، صنعتوں اور تجارتی اداروں پر قبضہ کر لیا۔ اور مادرِ وطن میں ملک کی بچانوے فی صد آبادی کو ملک کے وسائل دولت اور ذرائع پیداوار سے محروم کر کے انہیں بھوک، غربت اور جہالت کا شکار بنا دیا۔ ان مٹھی بھر لیڈروں نے اپنی ہوسِ استحصال کو پورا کرنے کے لئے نہ صرف اپنے ہی علاقے کے عوام کو لوٹا بلکہ آگے بڑھ کر پاکستان میں رہنے والی دوسری قومیتوں اور صوبوں کے عوام کا استحصال کیا۔ اور پھر استحصال اور لوٹ کھسوٹ کا ایسا مکروہ، گھناؤنا، انسان کش مقابلہ شروع ہوا کہ پورس کے ان ہاتھیوں نے اپنے ہی عوام کو روند ڈالا نتیجے کے طور پر اگر ہم مشرقی پاکستان پر بحث کر رہے ہیں تو ہمیں یاد رکھنا چاہیئے کہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی تحریک کا حقیقی اور اصل ذمہ دار کون تھا۔ علاقائی لوٹ کھسوٹ کے نتیجے میں مشرقی پاکستان کی اقتصادی صورتِ حال کا جائزہ لیں تو ہم صاف گو اور بے باک سوشلسٹ کی حیثیت سے یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ مغربی پاکستان کے مٹھی بھر سرمایہ داروں، جاگیرداروں اور نوکر شاہی نے مشرقی پاکستان کا ایسا دردناک استحصال کیا کہ بالآخر وہ پاکستان سے الگ ہونے پر مجبور ہو گئے۔

پاکستان پیپلز پارٹی کی بنیادی دستاویز میں یہ تحریر ہے کہ مشرقی پاکستان کو مغربی پاکستان کے سرمایہ داروں نے اپنی نوآبادی بنا رکھا تھا۔ چنانچہ اگر ہم تاریخ کو نہ جھٹلائیں اور سچائی سے کام لیں تو ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ پاکستان میں علاقائی استحصال کا جو گھناؤنا کھیل مغربی پاکستان کے مٹھی بھر رجعت پرست سرمایہ دار اور جاگیردار کھیل رہے تھے جس کے نتیجے میں انشورنس اور بنکوں کے تمام ہیڈ آفس مغربی پاکستان میں تھے مشرقی پاکستان کی تمام صنعت و تجارت پر مغربی پاکستان کے اجارہ دار سرمایہ داروں کا قبضہ تھا۔ اور پاکستان کی مسلح افواج کی اکثریت بھی صرف مغربی پاکستان سے تھی۔ جس کے نتیجے میں دولت مشرقی پاکستان سے کھنچ کر مغربی پاکستان میں ان سرمایہ داروں کے پاس منتقل ہوتی رہی اور مشرقی پاکستان جو آبادی کے لحاظ سے پاکستان کا اکثریتی صوبہ تھا وہ قومی اور اقتصادیات کے میدان میں مغربی پاکستان سے بہت پیچھے رہ گیا اور عوام کی اقتصادی صورتِ حال مغربی پاکستان کے غریب عوام سے بھی بدتر ہو گئی۔ اِس سرمایہ دارانہ استحصال کے لازمی نتیجے میں وہاں اقتصادی اور سیاسی آزادی یا صوبائی خود مختاری کی تحریکوں نے زور پکڑ لیا۔ جنہیں سوشلسٹ بنیادوں پر حل کرنے کی بجائے انہیں طاقت پولیس اور فوج سے دبانے کی کوشش کی جاتی رہی۔ آخر صبر و تحمل کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ مشرقی پاکستان کے عوام مجبوراً بغاوت پر آمادہ ہوئے۔ وہ مغربی پاکستان سے علیحدہ نہیں ہونا چاہتے تھے انہوں نے قیامِ پاکستان کی جدوجہد میں ہم سے زیادہ حصہ لیا تھا۔ لیکن ہم نے انسانی رشتے ایک طرف مذہب جیسے مقدس رشتے کو بھی نظر انداز کر کے ہر مرحلے پر انہیں بھارتی ایجنٹ، غدار، بھوکا بنگالی سازشی، وطن دشمن کے القابات سے نوازا۔ اِس صورتحال کا فائدہ کس کو پہنچ سکتا تھا۔ اس کا فائدہ مغربی اور مشرقی پاکستان کے عوام کو نہیں پہنچ رہا تھا۔ نہ مغربی پاکستان کے عوام مشرقی پاکستان کے عوام کے مخالف تھے اور نہ مشرقی پاکستان کے عوام مغربی پاکستان کے عوام کے مخالف تھے۔ اگر اُن کے اور ہمارے درمیان کوئی رنجش پیدا ہوئی تھی تو اس لئے نہیں کہ مشرقی پاکستان کے محنت کشوں کو مغربی پاکستان کے محنت کشوں نے لوٹا تھا۔ ہم نے اس صورتِ حال کی تمام تر ذمہ داری سے ہمیشہ بچنے کی کوشش کی۔ ہم نے مختلف تاویلات پیش کیں لیکن ایک سچے پاکستانی کی حیثیت سے ہم نے مشترکہ اور حقیقی دشمن کی طرف اشارہ نہیں کیا۔ ہم نے اقتصادی انحطاط اور تناؤ پر نظر ڈالنے کی بجائے اُسے بنگالی اور غیر بنگالی کا مسئلہ قرار دیا اور مختلف زبانیں بولنے والوں کے درمیان اختلاف کا نام دیا۔ ہم نے اسے چوڑے چکلے مغربی پاکستانیوں اور دق زدہ کالے، ٹھگنے بنگالیوں کا مسئلہ قرار دیا۔ اصل دشمن ہمارے اور اُن کے درمیان موجود تھے اور جو بڑی مہارت اور چالاکی سے زبان، رنگ و نسل

مشرقی پاکستان کے عوام کو استحصال نے الگ ہونے پر مجبور کیا

اور قومیت کی بنیاد پر محنت کشوں کو محنت کشوں سے لڑا رہے تھے۔

اصل دشمن کون تھا۔ اصل دشمن عوام نہ تھے۔ اصل دشمن مغربی پاکستان کا مٹھی بھر سرمایہ دار تھا لیکن یہ کتنا افسوس ناک امر ہے کہ اس قوم کی سیاسی پارٹیوں، رہنماؤں، قیام پاکستان کی تحریک کے متعدد دعوے داروں نے کبھی یہ آواز بلند نہ کی کہ آؤ ہم مسلم بنگالی آؤ ہم مسلم سندھی، مسلم پنجابی، مسلم بلوچ اور مسلم پختون مل جل کر ان مٹھی بھر سرمایہ داروں کا تختہ الٹ دیں اور بھائی کو بھائی سے لڑانے کی ہر سازش کو ناکام بنا دیں اور اس سے زیادہ افسوس ناک بات تو یہ ہے کہ وہ نام نہاد رہنما جو پاکستان میں بسنے والی قومیتوں کی سیاسی اور معاشی آزادیوں کے علمبردار ہیں انہوں نے بھی کبھی ان سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کے خلاف ایک بات نہ کہی۔ مجیب الرحمٰن نے کبھی یہ نہ کہا کہ ہم سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کو ختم کرنا چاہتے ہیں اور ہم پاکستان کے سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کے خلاف ہیں۔ یہ بات ہم نے سندھ کے جی ایم سید کی زبان سے بھی نہ سنی۔ ولی خان بھی اس پر گنگ ہے جو عظیم پختون قوم کا نعرہ بلند کر رہا ہے کہ آؤ سرمایہ داری اور جاگیرداری کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں۔ یہ سب خود ساختہ سوشلسٹ انقلابی ہیں لیکن اندرونی طور پر کبھی داؤد سے گٹھ جوڑ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ داؤد کو داؤد خان بنا دیں گے اور کبھی سہگل کو سہگل خان کا لقب دیتے ہیں اور جب اسی استحصالی طبقے کے لوگ سندھ میں ہوتے ہیں تو سندھی قومیت کے علمبردار بنتے ہیں لیکن اندرونی طور پر سندھ کے سرمایہ داروں اور وڈیروں سے گٹھ جوڑ کرتے ہیں اور ہاری اور مزدور کا خون پیتے ہیں اور ان کا بس چلتا ہے تو سندھ اسمبلی میں رولنگ پاس کراتے ہیں کہ وڈیروں کو برا نہ کہا جائے۔ وڈیرہ تو ہماری تہذیب کا حصہ ہے۔ کونسی تہذیب، کس کی تہذیب، بے شرموں، عوام دشمنوں، ہاریوں کا خون پینے والو! وڈیرہ تمہاری تہذیب کا حصہ تو ہو سکتا ہے، لیکن صوفی شاعر شاہ عبداللطیف بھٹائی اور سندھ کے مظلوم ہاریوں کی تہذیب کا حصہ نہیں ہو سکتی۔

کیا ان کی سرکردگی میں کوئی قومی تحریک چل سکتی ہے۔ اگر کوئی صوبائی اور قومی آزادی کی تحریک چلی اور کامیاب ہوئی تو اس کا نتیجہ وہی نکلے گا جو مشرقی پاکستان میں نکلا ہے۔ مشرقی پاکستان کے عوام کی تحریک کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ مغربی پاکستان کے داؤد اور سہگل سے تو آزاد ہو گئے لیکن ہندوستان کے برلا اور ٹاٹا کی گود میں ڈال دیئے گئے۔ ہمیں یہ قومی آزادی نہیں چاہیئے جو ایک کی گود سے نکال کر اس سے بڑے غلام سرمایہ دار اور جاگیردار کے خونی شکنجے میں جکڑ دے۔

عوام ذوالفقار علی بھٹو سے سوال کرتے ہیں کہ آپ نے اپنے بنیادی دستاویز میں کہا تھا کہ مشرقی پاکستان کے عوام کو نوآبادی بنا کر رکھا گیا ہے۔ وہ استحصال کا شکار ہوئے ہیں۔ کیا آپ جیسا عظیم سیاسی رہنما یہ نہیں جانتا تھا کہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے اصل ذمہ دار مغربی پاکستان کے مٹھی بھر سرمایہ دار تھے۔ اگر آپ حقیقی پاکستانی ہیں تو بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے سے پیشتر پاکستان پیپلز پارٹی کی تلوار اٹھایئے اور ختم کر دیں جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کو، ان کی جگہ پاکستان میں نہیں، ان کی جگہ صرف تختۂ دار ہے، تختۂ دار ہے، تختۂ دار ہے۔ تبھی پاکستان بچ سکتا ہے، بچ سکتا ہے۔ بچ سکتا ہے۔ ہاری اور مزدور کا پاکستان... عظیم پاکستان۔

اب آیئے دیکھیں کہ بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کے سلسلے میں کیا ہو رہا ہے؟ پاکستان پیپلز پارٹی نے بنگلہ دیش کے بارے میں جو تازہ ترین مؤقف اختیار کیا ہے اس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ پاکستان پیپلز پارٹی کی قیادت بنگلہ دیش کو

مُسلم بنگالی، مُسلم بلوچ، مُسلم پنجابی

مُسلم سندھی اور

مُسلم پختون مل کر سرمایہ داروں

کا تختہ الٹ دیں

تسلیم کرنے کے حق میں ہے پاکستان پیپلز پارٹی کے ڈپٹی سیکرٹری جنرل اور مرکزی وزیر جناب خورشید حسن میر اور وزیر اطلاعات مولانا کوثر نیازی کے بیانات واضح طور پر نشاندہی کر رہے ہیں کہ پیپلز پارٹی کے حکمران کیا فیصلہ چاہتے ہیں۔

صدر بھٹو اپنی پارٹی کی مرکزی کمیٹی کے ارکان سے بنگلہ دیش کے سوال پر بات چیت کر چکے ہوں گے اس ضمن میں پارٹی کی جانب سے قومی اسمبلی کے ارکان کو بھی مرکزی کمیٹی کے ارکان کی اکثریت کے فیصلے سے آگاہ کیا جا چکا ہو گا اب دیکھنا یہ ہے کہ پیپلز پارٹی اس مسئلے کو ایوان اور عوام کے سامنے کس طرح پیش کرتی ہے اور ایوان کی اکثریتی جماعت اپنے جونیئر شریک اقتدار نیپ اور جمعیت العلماء اسلام کے ساتھ مل کر عوام کے سامنے کس طرح پیش کرتی ہے جس پر ملک گیر بنیاد پر ریفرنڈم یقینی ہے۔

باور یہ کیا جا رہا ہے کہ جنگی قیدیوں کی واپسی، بین الاقوامی صورت حال اور برصغیر پاک و ہند میں پرامن ماحول کے پیش نظر قومی اسمبلی عوام سے منظوری لے گی کہ وہ بنگلہ دیش کو تسلیم کر لیں۔ یہ بات مختلف ہے کہ عوام اسے منظور کرتے ہیں یا مسترد کر دیتے ہیں۔ مسترد ہونے کی صورت میں اسمبلی کو دوبارہ غور کرنا ہو گا۔

اب اس طرح تین فریق بن گئے ہیں:-

(۱) پاکستان پیپلز پارٹی + جمعیت العلماء اسلام + نیپ + قیوم لیگ = بنگلہ دیش کو تسلیم کر لیا جائے۔

(۲) جماعت اسلامی = بنگلہ دیش کو تسلیم نہ کیا جائے۔

(۳) کونسل لیگ + کنونشن لیگ + جمعیت العلماء پاکستان + پی۔ڈی۔پی = مؤقف واضح نہیں!

اب تک صرف جماعت اسلامی نے کھل کر کہا ہے کہ ہم بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کی مخالفت کریں گے۔ اس کا مؤقف یہ ہے کہ پاکستان اسلام کی بنیاد پر قائم ہوا تھا لہٰذا مشرقی پاکستان مغربی پاکستان سے الگ نہیں ہو سکتا۔ یہ بات دوسری ہے کہ اس جماعت نے خود قیام پاکستان کی مخالفت کی تھی، بنگلہ دیش کی تشکیل میں بھرپور حصہ لیا اور شیخ مجیب الرحمٰن کی منتخب جماعت عوامی لیگ کی اکثریت کو یحییٰ حکومت کے ساتھ مل کر زک پہنچائی۔ فوج کے اشاروں پر ایک لوگس سول حکومت کے منصوبے کو عملی جامہ پہنایا۔ "الشمس" اور "البدر" کے ہاتھوں بنگالی عوام کے "جشن قتل عام" میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ فوج کی کارروائیاں "الشمس" اور "البدر" کے سامنے ماند پڑ گئیں اور اس طرح فوج کو مشرقی پاکستان میں بدنام کرنے، بنگالیوں کے دلوں میں مغربی پاکستان کے خلاف نفرت کے شدید رجحان کو تقویت پہنچانے اور مشرقی پاکستان کو پاکستان سے الگ کرنے میں جماعت اسلامی نے اپنا تاریخی کردار ادا کر کے یہ ثابت کر دیا کہ جماعت اسلامی کے امیر نے قیام پاکستان کی جو مخالفت کی تھی، وہ اس پر آج بھی قائم ہے۔

مغربی پاکستان میں "بنگلہ دیش" کو تسلیم کرنے کی مخالفت بھی جماعت اسلامی کا پرانا سیاسی حربہ ہے

باقی صفحہ ۳۱ پر ملاحظہ فرمایئں

نیپ نے ریلوے میں ہڑتال کرانے کیلئے ۲۵ ہزار روپے کی پیش کش کی

الفتح رپورٹ

۲۴ جولائی کا آفتاب طلوع ہوا تو کراچی میں مطلع ابر آلود تھا۔ موسم سہانا تھا۔ سمندری ہوا کے خنک جھونکے چلتے تھے۔ کوچہ و بازار میں زندگی معمول کے مطابق بیدار ہو رہی تھی۔ عام ہڑتال کی اپیل کے باوجود کہیں ہڑتال کا سراغ نہ ملتا تھا۔ یہ اپیل اخباری سرمایہ داروں کی تنظیم اے پی این ایس، اسلام پسند صحافیوں کی جماعت این یو جے اور دائیں بازو کی دوسری جماعتوں کے ساتھ ساتھ نیپ کی جانب سے روزنامہ "سن" پر پابندی کے خلاف احتجاج کرنے کے لئے جاری کی گئی تھی۔ اس اپیل کو جماعت اسلامی کے اخبارات "جسارت" اور "جنگ" نے اور نیپ کے نیم سرکاری ترجمان "حریت" نے نہایت آب و تاب کے ساتھ صفحہ اول پر شائع کیا تھا۔

کراچی کے شہریوں پر ہڑتال کی اس اپیل کا کوئی ردِعمل نظر نہ آتا تھا۔ سڑکوں پر ٹریفک رواں دواں تھا۔ بس اسٹاپوں پر حسبِ معمول ہجوم تھا۔ دفتروں اور کارخانوں میں کام کرنے والے، کاروبار پر جانے والے اپنی اپنی منزل پر پہنچنے کے لئے بیقرار تھے۔ دکانیں کھلتی جا رہی تھیں۔ چائے خانوں کی رونق بڑھتی جا رہی تھی۔ آٹھ بجتے بجتے زندگی کی عام گہما گہمی انگڑائی لے کر جاگ اٹھی تھی۔

لیاقت آباد اور گولیمار، جہاں اردو کے نام پر پچھلے دنوں توڑ پھوڑ، آتش زنی، لوٹ مار اور فتنہ و فساد کا بازار گرم ہوا تھا، زندگی کی چہل پہل سے معمور تھے۔ اس عالمِ رنگ و بو میں ساڑھے آٹھ بجے، نو بجے، دس بجے زندگی کا کارواں آگے اور آگے بڑھتا گیا۔ دکانوں پر گاہکوں کا ہجوم سوا ہو گیا۔ راہگیروں کی آمد و رفت میں اضافہ ہو گیا۔ ہر طرف مصروفیت تھی۔ سرگرمی تھی۔ گہما گہمی تھی۔

لیاقت آباد میں پچھلے ہنگاموں کی یادگار، پولیس فائرنگ سے ہلاک ہونے والوں کی قبریں، میونسپل کارپوریشن کے بازار کی منہدم عمارت، بلوچ ہوٹل کے جلے ہوئے در و دیوار، ٹوٹے پھوٹے ٹرک گنے کا رس بیچنے والے بنگالیوں کی جلی ہوئی گاڑیاں، پیپلز پارٹی کے رہنماؤں کے خلاف دیواروں پر لکھی ہوئی گالیاں بعض سیاسی لیڈروں کی بیویوں اور بچیوں کی ہولناک قد آدم عریاں تصاویر اور سڑکوں پر جگہ جگہ ایسے سیاہ دھبے رہ گئے تھے جن پر ٹائر جلا کر الاؤ دہکائے گئے تھے۔ دکانوں کی رونق اور بازاروں کی چہل پہل دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا تھا کہ اس علاقے کے رہنے والے سب کچھ بھول بھال کر زندگی کی سرگرمیوں میں جُٹ گئے ہیں۔ ہر شخص کو روزی کی فکر تھی، اپنی تمام ضروریات کی فکر تھی۔

اِس صبح حالات قطعی نارمل تھے۔ گیارہ بجے سے کچھ دیر قبل آوارہ گردی کرنے والے لڑکوں کا ایک ہجوم نکلا۔ وہ چھوٹے سے جلوس کی شکل میں شور مچاتے تھے۔ پولیس والوں کو ہاتھ اٹھا اٹھا کر "لعنت" بھیجتے تھے۔ اور "آمر چور"، "آمر چور" کے نعرے لگاتے تھے۔ پولیس نے مشتعل ہو کر ان کو منتشر کرنے کی کوشش کی۔ اس طرح گڑبڑ پیدا ہوئی۔ عین اُس وقت نمبر ۹ لیاقت آباد کی گلیوں سے چالیس پینتالیس نوجوانوں کا ایک غول نکلا۔ وہ چھوٹی چھوٹی کئی ٹولیوں میں بٹ گئے۔ کچھ ٹولیاں کاٹ کباڑ اکٹھا کر کے سڑکوں پر رکاوٹیں کھڑی کرنے لگیں۔ کچھ بسوں اور دوسری گاڑیوں پر اندھا دُھند پتھراؤ کرنے لگیں۔ اس پتھراؤ سے گاڑیوں کے شیشے ٹوٹ ٹوٹ کر سڑک پر بکھرنے لگے۔ اندر بیٹھی ہوئی سواریاں پتھروں کی بوچھاڑ سے بدحواس ہو گئیں۔ کسی کا سر پھٹا۔ کسی کی ٹانگ پر چوٹ آئی اور کسی کا بازو زخمی ہوا۔ کوئی زخموں سے کراہتا تھا، کوئی درد سے بلبلاتا تھا۔ عورتیں اور بچے پریشان ہو کر چیختے تھے۔ فریاد کرتے تھے۔ جس کا جدھر منہ اُٹھا، پتھروں سے بچتا بچاتا بھاگا۔ بازار میں افراتفری پھیل گئی۔ دوکان داروں نے جلدی جلدی دوکانیں بند کرنی شروع کر دیں۔ جو دوکانیں بند نہ ہو سکیں ان پر پتھراؤ ہونے لگا۔ ڈنڈے برسنے لگے۔ شوکیسوں کے شیشے چھنا چھن ٹوٹنے لگے۔

دیکھتے ہی دیکھتے بھگدڑ مچ گئی۔ پھل اور سبزی بیچنے والے پھیری لگانے والے، بساطی اور پنواڑی اپنی اپنی ریڑھیاں اور خوانچے سنبھال کر بدحواسی کے عالم میں گلیوں میں گھس گئے۔ دکانیں بند ہو گئیں۔ راہ گیر سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ گئے۔ بازار کی تمام چہل پہل اور رونق اجڑ گئی۔ لیاقت آباد میں ہڑتال کا آغاز اس طرح ہوا۔

توڑ پھوڑ کرنے والے اب بے خوف و خطر ہر طرف دندناتے پھرتے۔ انہوں نے سڑکوں پر جگہ جگہ رکاوٹیں کھڑی کیں۔ پچھلے ہنگاموں کی طرح پرانے ٹائروں میں آگ لگا کر الاؤ جلایا۔ دھوئیں کے سیاہ بادل ہر طرف پھیل گئے۔ اس دھوئیں کو اٹھتے دیکھ کر دور دور تک افراتفری اور بے چینی پھیل گئی۔ علاقے کے دوسرے حصوں کی جو دکانیں ابھی تک کھلی تھیں وہ بھی بند ہونے لگیں۔ اس وقت تک توڑ پھوڑ کرنے والی ٹولیاں بھی وہاں پہنچ چکی تھیں۔ انہوں نے وہاں بھی پتھراؤ شروع کر دیا۔

پولیس کی جمعیت آئی تو اس پر بھی چاروں طرف سے پتھراؤ ہونے لگا۔ اس مرحلے پر ہنگامہ کرنے والوں میں علاقے کے غنڈے بھی شامل ہو گئے۔ چھوٹے چھوٹے بچے جو اسکول بند ہونے کے باعث گلی کوچوں میں آوارہ گردی کر رہے تھے ہنگامہ آرائی میں شریک ہو گئے۔ اب ہر طرف توڑ پھوڑ تھی۔ شور و غل تھا۔ ہنگامہ کارزار برپا تھا۔ حالات زیادہ خراب ہوتے دیکھ پولیس پسپا ہو کر تھانے میں چلی گئی۔

اس وقت تک لیاقت آباد کے علاقے کی تمام دکانیں بند ہو چکی تھیں۔ سڑک سنسان پڑی تھی۔ جس پر جگہ جگہ رکاوٹیں تھیں اور ٹائروں کے الاؤ جلتے تھے۔ دھوئیں کے پردے کے پیچھے لوٹ مار کرنے والے من مانی کرتے۔ دکانیں توڑتے اور جو ہاتھ لگتا اٹھا کر لے جاتے۔ ان سے کوئی پرسش کرنے والا نہ تھا۔ گلیوں کے نکڑ پر جگہ جگہ تماشائیوں کا ہجوم تھا۔ وہ ساری حرکتیں دیکھتے مگر خاموش رہتے جلتی آگ میں کوئی ہاتھ نہیں ڈالتا۔

بارہ بجے تک پورے لیاقت آباد پر توڑ پھوڑ کرنے والوں کا راج رہا۔ بتایا جاتا ہے کہ ہنگامہ آرائی کرنے والوں کے قائد جماعت اسلامی اور نیپ کے چند مقامی رہنماؤں کے ساتھ ایک جیپ میں سوار ہو کر اِدھر سے اُدھر گشت کرتے۔ توڑ پھوڑ کرنے والوں کو ضروری ہدایات دیتے۔ ان کی حوصلہ افزائی کرتے۔ چیخ چیخ کر

ناظم آباد، لیاقت آباد اور کورنگی میں این ایس ایف کاظمی گروپ اور اسلامی جمعیت طلبہ کے خفیہ اجتماعات

پیپلز پارٹی اور اس کے رہنماؤں کے خلاف ایسے غلط اور اشتعال انگیز نعرے لگاتے جن کے اظہار کی تہذیب اجازت نہیں دیتی۔

آخر سندھ رینجرز کے فوجی جوان ٹرکوں اور جیپوں میں وہاں آگئے۔ لیکن جیسے ہی وہ تین ہٹی کے پل سے اتر کر جھلسے ہوئے بلوچ ہوٹل سے ذرا آگے پہنچے اور انہوں نے سڑکوں سے رکاوٹیں ہٹانے کی کوشش کی۔ اسی وقت ان پر پتھراؤ کے ساتھ ساتھ بائیں جانب کے مکانوں سے فائرنگ شروع ہو گئی۔ فوجی جوانوں نے جوابی فائرنگ کی، تو افتاد زخمی ہوئے۔ بعد میں ایک زخمی اسپتال میں چل بسا۔

فوجیوں پر فائرنگ جس سمت سے کی گئی وہاں جماعت اسلامی کا دفتر ہے۔ اس سے کچھ فاصلے پر علی مختار رضوی کا گھر ہے۔ علی مختار رضوی نے حال ہی میں ایک نئی نیشنل عوامی پارٹی قائم کی ہے جس کے نام کے ساتھ اخبارات میں "چین نواز" بھی لکھا جاتا ہے۔

غرضیکہ ۴ ۲ جولائی کو سورج کے نصف النہار پر پہنچنے تک لیاقت آباد میں ہڑتال ہو چکی تھی۔ لیکن لوٹ مار اور آتشزنی زیادہ نہ پھیلی۔ سندھ رینجرز کے فوجی جوانوں کی فائرنگ کے بعد حالات قابو میں آگئے۔ ہر طرف دہشت اور سراسیمگی پھیل گئی۔ جگہ جگہ ہجوم لگانے والے گھروں کو بھاگے۔ ہڑتال کرانے والے بھی گلیوں میں بکھر گئے اور گجر نالہ عبور کر کے گولی مار پہنچے۔ وہاں پہلے ہی ہڑتال کرانے والوں کی دوسری ٹولیاں موجود تھیں۔ یہ ٹولیاں ناظم آباد نمبرہ سے آئی تھیں اور اس انتظار میں تھیں کہ پہلے سے تیار شدہ منصوبے کے مطابق لیاقت آباد سے سگنل ملے تو وہ بھی توڑ پھوڑ اور آتشزنی شروع کر دیں۔

اس وقت تک گولی مار اور جوڑنگی کی بیشتر دکانیں کھلی تھیں لیکن بازار پر خوف و ہراس کے سائے منڈلاتے تھے۔ دکان دار اور راہ گیر دہشت زدہ نظر آتے تھے۔ لیاقت آباد میں ہڑتال کرانے والوں نے وہاں پہنچتے ہی یہ افواہیں پھیلانی شروع کر دیں کہ فوجیوں کی فائرنگ سے ہر طرف لاشیں بکھری ہوئی ہیں۔ سڑکوں پر مشین گنیں لگا دی گئی ہیں، اندھا دھند فائرنگ ہو رہی ہے۔ ہر طرف موت کی گرم بازاری ہے۔

اس طرح لوگوں میں اشتعال پھیلا اور دیکھتے ہی دیکھتے بسوں اور دوسری گاڑیوں پر پتھراؤ شروع ہو گیا۔ اس پتھراؤ میں ہڑتال کرانے والوں کے ساتھ علاقے کے آوارہ لونڈے بھی شامل ہو گئے۔ پھر گولی مار اور جوڑنگی پر بھی سب کچھ وہی ہوا جو لیاقت آباد میں پہلے ہو چکا تھا۔ یعنی سڑکوں پر رکاوٹیں کھڑی کی گئیں۔ ٹائروں کو جلا کر الاؤ دہکائے گئے۔ توڑ پھوڑ شروع ہوئی تو دکانیں دھڑا دھڑ بند ہونے لگیں، راہ گیر بد حواس ہو کر بھاگے۔ بازار سنسان پڑ گیا۔ سڑک ویران ہو گئی۔

اب ہر طرف توڑ پھوڑ کرنے والے اِدھر اُدھر گھومتے نظر آتے۔ سڑک پر شیشوں کے ٹکڑے اور پتھر بکھرے تھے۔ جگہ جگہ الاؤ دہکتے تھے۔ پولیس آتی تو بلوائی گلیوں میں گھس جاتے۔ چھپ چھپ کر اس پر پتھراؤ کرتے۔

دو بجے تک یہی حالت رہی۔ اسی اثناء میں پی آئی اے کی ایک گاڑی لسبیلہ کے پل سے اتر کر گولیمار کے علاقے میں داخل ہوئی۔ چاروں طرف سے اس پر پتھراؤ ہوا۔ ڈرائیور نے گاڑی روکی اور کسی طرح جان بچا کر بھاگا۔ اس کے جاتے ہی توڑ پھوڑ کرنے والوں میں سے چند نوجوان گاڑی کے قریب پہنچے۔ ایک نے جیب سے ایک چھوٹی سی گول ڈبیہ اور سگریٹ لائٹر نکالا۔ جھٹ پٹ ڈبیا کھولی۔ اس میں مرغ نما کوئی سفید مادہ تھا۔ نوجوان نے یہ مرغ نما مادہ انگلی سے ٹائر پر لگایا۔ لائٹر جلا کر اس میں آگ لگائی۔ فوراً شعلے بھڑکے۔ یہ تمام کارروائی چند سیکنڈ میں ہوئی۔ آگ اتنی تیزی سے پھیلی کہ اس نے چند ہی لمحوں میں پوری گاڑی کو شعلوں کی لپیٹ میں لے لیا۔

پی آئی اے کی یہ پہلی گاڑی نذرِ آتش نہ ہوئی تھی۔ اردو کے نام پر ہونے والے پچھلے ہنگاموں میں بھی کئی گاڑیاں اسی طرح جلائی گئیں۔ پی آئی اے کے علاوہ اگر کسی اور ادارے کی گاڑیاں جلائی جاتی ہیں تو وہ کراچی الیکٹرک سپلائی کارپوریشن ہے۔ ان اداروں کی گاڑیاں بطورِ خاص جلانے کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ جب تک جماعت اسلامی کی ذیلی تنظیم "پیاسی" بحیثیت ٹریڈ یونین پی آئی اے پر قابض رہی، جماعت اسلامی والے پی آئی اے کی گاڑیوں کو پالتو گھوڑوں کی طرح محبت و شفقت سے دیکھتے۔ انہیں شوکتِ اسلام کے لئے سجا بنا کر جلوس میں لے جاتے۔ انتخابات میں ووٹر ڈھونے کے لئے استعمال کرتے۔ مگر جب سے پیاسی کو پی آئی اے میں شکست ہوئی جماعت اسلامی والے ان گاڑیوں کو جلا کر اپنی ہار کا بدلہ لیتے ہیں۔ کراچی الیکٹرک سپلائی کارپوریشن کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ پچھلے دنوں وہاں مزدوروں میں ریفرنڈم ہوا جماعت کی سرپرستی میں چلنے والی یونین کو شکست ہوئی لہٰذا مودودیوں کا عتاب اس کی گاڑیوں پر نازل ہوتا ہے۔ شہری کئی کئی روز تک بجلی کی خرابی کے باعث اندھیرے میں تڑپتے رہے۔ مودودیئے بجلی درست کرنے والی گاڑیوں کو جلا کر اپنے انتقام کی آگ ٹھنڈی کرتے رہے۔

بہرحال ۴ ۲ جولائی کو عام ہڑتال کی اپیل پر کراچی میں اگر کہیں ہڑتال ہوئی تو وہ لیاقت آباد، گولی مار اور ناظم آباد کے علاقے تھے۔ شہر کے بقیہ تمام حصے پُرامن رہے۔ ان حصوں میں کاروبارِ حیات معمول کے مطابق چلتا رہا۔ لیکن جن علاقوں میں ہڑتال ہوئی، ان میں توڑ پھوڑ اور آتش زنی کی وارداتیں برابر بڑھتی گئیں۔ حالات کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے ناظم آباد، پاک کالونی، گولیمار اور لیاقت آباد کے علاقوں میں پانچ بجے شام سے کرفیو نافذ کر دیا گیا۔ اس طرح رات امن و سکون سے گزری۔ کرفیو کے دوران کوئی ناخوش گوار واقعہ پیش نہیں آیا۔

دوسرے روز یعنی ۵ ۲ جولائی کو لیاقت آباد، ناظم آباد اور گولیمار کے علاقے چند گھنٹوں کے لئے کرفیو کھل جانے کے باوجود پُرامن رہے مگر برنس روڈ پر جہاں کرفیو نہ تھا، دوپہر سے اچانک ہنگامے شروع ہو گئے۔ وہاں ایک بس کو نذرِ آتش کر دیا گیا۔ شہر میں ایک بار پھر بے چینی پھیل گئی اور جن علاقوں میں پہلے کرفیو لگا تھا وہاں سے کرفیو اٹھانے کے بجائے ایک روز کے لئے اور بڑھا دیا گیا۔

سوچنے والے سوچتے ہیں کہ جہاں تک اردو کا مسئلہ ہے، ناظم آباد لیاقت آباد اور گولیمار میں ہڑتال اور ہنگاموں کا یہ جواز مل جاتا ہے کہ ان علاقوں کی بڑی اکثریت کی مادری زبان اردو ہے لیکن آزادئ صحافت کا درد صرف ان علاقوں کے رہنے والوں کے دلوں میں کیوں اٹھا۔ اس مسئلہ پر ملک بھر میں کہیں ہڑتال نہ ہوئی۔ کراچی کے بہت بڑے حصے میں بھی ہڑتال نہ ہوئی۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ناظم آباد، لیاقت آباد اور گولیمار کے علاقے پر جماعت اسلامی اور دوسرے اسلام پسندوں کا شروع ہی سے گہرا اثر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گزشتہ انتخابات میں ان بستیوں سے صرف جماعت اسلامی اور جمعیت العلمائے پاکستان کے امیدوار کامیاب ہوئے۔ پچھلے چند ماہ سے نیپ کے سیکرٹری جنرل محمود الحق عثمانی پر بھی مہاجریت کا دورہ پڑا ہے۔ اردو کا غم رہ رہ کے ستاتا ہے۔ لہٰذا وہ بھی اس علاقے کی قیادت میں بڑی حد تک جماعت اسلامی کے شریکِ کار ہو گئے ہیں۔ جماعت اور نیپ کے لئے سوال مسائل کے حل کا نہیں، مسائل پیدا کر کے پیپلز پارٹی کو ان علاقوں کے عوام میں غیر مقبول بنانا ہے۔ بلدیہ کے انتخابات میں مہاجرین کے ووٹوں کی بندر بانٹ کرنی ہے۔

نیپ اور اسلام پسندوں کا سیاسی پروگرام اگر صرف اس قدر ہے تب بھی غنیمت ہے۔ مگر ذہنوں میں جو سوال گردش کر رہا ہے۔ وہ یہ ہے کہ پچھلے دو ڈھائی ہفتے کے واقعات بتاتے ہیں کہ ان مہاجر علاقوں کے رہنے والے نہ کبھی ہڑتال پر آمادہ تھے نہ ہنگامہ آرائی کے درپے تھے۔ انہیں توڑ پھوڑ، آتش زنی اور خوف و ہراس پھیلا کر ہڑتال پر مجبور کیا گیا۔ یہ فتنہ و فساد برپا کرنے والے کون ہیں اور ان سیاسی جماعتوں سے ان کا کیا رابطہ ہے۔؟

حقائق بتاتے ہیں کہ حالیہ ہنگامے اسی سازش کے سلسلے کی

باقی صفحہ ۳۴ پر ملاحظہ فرمائیں

اخبارات کے خلاف حکومت کی کارروائیاں ایک نظر میں



صحافت
نہ پہلے آزاد تھی
اور نہ اب

لٹیروں کے مفادات کو "قومی مفاد" کا نام دیا گیا

الفتح رپورٹ

لاکھوں جانیں قربان کرکے عوام نے برطانوی نوآبادکاروں سے آزادی حاصل کی۔ لیکن فرنگی لٹیروں کے چلے جانے کے بعد منزل انہیں ملی جو شریکِ سفر نہ تھے " جن جاگیرداروں اور وڈیروں نے پاکستان کی جتنی مخالفت کی تھی، اتنا ہی وہ تحریکِ آزادی کے مجاہد بن کر عوام کے سروں پر مسلّط ہوگئے مسندِ اقتدار پر بیٹھ کر اس ملک کو اپنی جاگیر اور عوام کو اپنے ہاری سمجھنے لگے۔ ہندو بنیوں کی بجائے مسلمان بنیوں نے عوام کا استحصال شروع کردیا اور پھر یہ راز افشا ہوا کہ یہ کالے آقا، مسلمان بنیے اور وڈیرے نہ صرف قابلِ احترام ہیں بلکہ یہی "قوم" ہیں۔ ان کا مفاد "قومی مفاد" ہے اور وہ کروڑوں عوام جنہوں نے جنگِ آزادی لڑی، ایک حقیر اور قابلِ نفرت ہجوم ہیں۔ ان کے مفادات، حقوق، قومی مفاد اور تقاضوں کے منافی ہے۔ "قومی مفاد" کے نام پر جہاں اس ملک میں مزدوروں کسانوں اور محنت کش عوام کا استحصال کیا گیا۔ وہاں عوام کی آواز اٹھانے پر اخبارات پر پابندی لگائی گئی۔ اب تک "قومی مفاد" کے نام پر جن اخبارات کے خلاف کارروائی کی گئی وہ یہ ہیں۔

• روزنامہ "انقلاب" لاہور نے مہاجرین کی آبادکاری میں تساہل سے کام لینے پر وزیرِ اعلیٰ پنجاب نواب ممدوٹ پر کڑی نکتہ چینی کی۔ صوبائی حکومت نے اس اخبار پر سرکاری اشتہارات کے دروازے بند کر دیئے۔ حکومت کے اس اقدام کی بھی جب "انقلاب" نے کوئی پرواہ نہ کی اور بدستور ممدوٹ وزارت پر نکتہ چینی کرتا رہا تو حکومتِ پنجاب نے اس کے نیوز پرنٹ کا کوٹہ منسوخ کر دیا۔ کچھ عرصے تک اخبار کی انتظامیہ بلیک مارکیٹ سے نیوز پرنٹ خریدتی رہی جس سے اس کا خرچ دوگنا ہوگیا۔ نتیجتاً نومبر ۱۹۴۹ء میں "انقلاب" اپنی موت آپ مر گیا۔

• ۱۹۵۰ء میں روزنامہ "پاکستان آبزرور" ڈھاکہ نے مرکزی حکومت پر تنقید کی کہ اس نے پاؤنڈ اسٹرلنگ کی قیمت گھٹتے ہی پاکستانی کرنسی کی قیمت میں کمی کیوں نہیں کی۔ اس پر مرکزی حکومت نے اس کو سرکاری اشتہار دینے بند کر دیئے۔

• فروری ۱۹۵۲ء میں روزنامہ "پاکستان آبزرور" ڈھاکہ نے وزیرِ اعظم کو اپنی نکتہ چینی کا نشانہ بنایا۔ حکومت نے صوبائی سیفٹی ایکٹ کے تحت "پاکستان آبزرور" کے مدیر مالک اور ناشر کو گرفتار کر لیا۔ اخبار کا اجازت نامہ منسوخ کر دیا۔ اخبار کی انتظامیہ نے عدالت سے رجوع کیا۔ مقدمہ تقریباً ایک سال تک چلتا رہا۔ ۱۹۵۳ء میں عدالت نے حکومت کے عائد کردہ الزامات بے بنیاد قرار دیتے ہوئے اخبار کے مدیر، مالک اور ناشر کو باعزت طور پر رہا کر دیا۔ اخبار کا ڈیکلریشن بھی بحال کر دیا گیا۔ اس دوران اخبار چھپ نہ سکا اور سینکڑوں ملازمین بے روزگاری کا شکار رہے۔

• پنجاب کے وزیرِ اعلیٰ جناب ممتاز دولتانہ نے اخبارات کو حکومت پر نکتہ چینی سے باز رکھنے کے لیے انہیں رشوت دی، چند اخبارات کی اجتماعی خریداری پر دو لاکھ سے زائد رقم صرف کی گئی۔ اس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

(۱) جون ۱۹۵۱ء ۔ کل رقم پچاس ہزار روپے۔ (آفاق ۴۲ ہزار روپے، زمیندار آٹھ ہزار روپے۔)

(۲) دسمبر ۱۹۵۱ء ۔ کل رقم ۴۸ ہزار روپے (احسان اٹھارہ ہزار روپے، آفاق اٹھارہ ہزار روپے، مغربی پاکستان سات ہزار روپے، زمیندار پانچ ہزار روپے)

(۳) جون ۱۹۵۲ء کل رقم ایک لاکھ روپے (آفاق ۴۸ ہزار روپے، احسان ۳۰ ہزار روپے، زمیندار ۱۷ ہزار روپے اور مغربی پاکستان پانچ ہزار روپے)

(۴) دسمبر ۱۹۵۲ء میں تین ہزار روپے مغربی پاکستان کو دیئے گئے۔

• نومبر ۱۹۵۰ء میں "ڈان" کراچی نے لیاقت علی خان کے قاتلوں کا سراغ لگانے کی مہم بڑے زور شور سے شروع کی۔ وزیرِ داخلہ مشتاق احمد گورمانی کو اپنی نکتہ چینی کا نشانہ بنایا۔ اس پر حکومت نے نہ صرف "ڈان" پر سرکاری اشتہارات کے دروازے بند کر دیئے بلکہ یہ حکم بھی جاری کیا گیا کہ سرکاری دفاتر میں "ڈان" نہ خریدا جائے۔ کچھ عرصے کے بعد یہ حکم واپس لے لیا گیا۔

• مسلم لیگ کو آئی آئی چندریگر کی قیادت میں ڈیڑھ ماہ کے لیے وزارتِ عظمیٰ ملی۔ موصوف نے اعلان کیا کہ اخبارات کو آزادی دے دی گئی ہے لیکن چند

دنوں کے بعد ہی ماہنامہ "ثمر" کراچی کا ڈیکلریشن منسوخ کر دیا گیا۔

• ایوب خان نے برسرِ اقتدار آتے ہی بنیادی حقوق سلب کر لیے۔ پریس پر سنسر لگا دیا۔ زبان بندی کر دی گئی۔ اس پر بھی دل نہ بھرا تو پی پی ایل کا اخباری ادارہ جو "پاکستان ٹائمز"، "امروز"، "لیل و نہار" اور "اسپورٹس ٹائمز" شائع کرتا تھا۔ اس کے مالک میاں افتخار الدین سے چھین لیا گیا اور ایک فوجی کو اس کا ناظم مقرر کیا گیا۔ اس طرح سے پی۔ پی۔ ایل حکومت کے قبضہ میں آ گیا۔ پھر نیشنل پریس ٹرسٹ بنایا گیا اور "مشرق"، "انجام"، "مارننگ نیوز" کراچی و ڈھاکہ، "پاکستان ٹائمز"، امروز" وغیرہ، "دینک پاکستان ڈھاکہ وغیرہ کو مالکان کی مرضی کے خلاف نیشنل پریس ٹرسٹ میں شامل کر دیا گیا۔ بعد میں "انجام" کو بند کر کے "مشرق" کراچی کا اجرا کیا گیا۔

• ۱۹۶۲ء میں روزنامہ "کوھستان" لاہور کو تین طالب علموں کی ہلاکت کی غلط خبر شائع کرنے پر تین ماہ کے لیے بند کر دیا گیا لیکن بائیس دن کے بعد اس کا ڈیکلریشن بحال کر دیا گیا۔

• ۱۹۶۴ء کے صدارتی انتخابات میں روزنامہ "نوائے وقت" لاہور نے محترمہ فاطمہ جناح کی حمایت کی۔ اس جرم کی پاداش میں سرکاری اشتہارات بند کر دیئے گئے۔

• روزنامہ "اتفاق" ڈھاکہ نے ایوبی آمریت کے خلاف آواز اٹھائی تو اس کے مدیر مانک میاں کو پابندِ سلاسل کر دیا گیا۔

• ۱۴ فروری ۱۹۷۱ء کو پولیس نے ولیکا ملز کے مزدوروں پر وحشیانہ فائرنگ کی۔ لاشیں غائب کر دیں۔ ہفت روزہ "الفتح" کراچی نے کراچی انتظامیہ اور پولیس کے اس بھیانک جرم کی نشاندہی کی۔ ۱۸ فروری ۱۹۷۱ء کی اشاعت میں اداریہ بعنوان "لاشیں کہاں ہیں؟" اور ایک مضمون "یارو ایک لڑائی ہے سائیگان سے منگھوپیر تک" شائع کیا۔ حکومت نے اس اداریہ اور مضمون کو "قومی مفاد" کے منافی قرار دیتے ہوئے بغاوت کے الزام میں مارشل لاء کے ضابطہ ۱۶-۱ے - ۱۷ اور تعزیراتِ پاکستان کی دفعہ ۱۲۴ الف کے تحت مدیر، ناشر، پرنٹر اور نائب مدیر کے خلاف مقدمہ قائم کیا۔

• ۱۹۷۱ء میں پیپلز پارٹی کے ترجمان روزنامہ "مساوات" لاہور نے یحییٰ حکومت کے خلاف اپنی جدوجہد تیز کر دی۔ پانی کی غیر منصفانہ تقسیم کی ذمہ داری گورنر پنجاب جنرل عتیق الرحمٰن پر عائد کی تو گورنر پنجاب نے سات دن کے لیے اس اخبار کو بند کر دیا جس کا شدید ردِ عمل ہوا۔ اور تین دن کے بعد ہی اخبار شائع کرنے کی اجازت دے دی گئی۔

• ۵ اپریل ۱۹۷۲ء پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت نے ہفت روزہ "پنجاب پنچ"، ہفت روزہ "زندگی" اور ماہنامہ "اردو ڈائجسٹ"، لاہور کا ڈیکلریشن منسوخ کر دیا۔ ان کے مدیر اور ناشروں کو گرفتار کر لیا گیا اور حکم جاری کیا گیا کہ ان کے مدیر کسی اور اخباری ادارے میں ملازمت بھی نہیں کر سکتے۔ انہیں ملازم رکھنے والوں کو بھی قابلِ تعزیر ٹھہرایا جائے گا۔ ان پر الزام یہ تھا کہ انہوں نے حکومت پر نکتہ چینی کی اور حاکموں پر کیچڑ اچھالا۔ مارشل لاء کے تحت ان کے مدیروں اور ناشروں کو سزائیں اور جرمانے بھی سنائے گئے۔ لیکن تین ماہ کے بعد رہا کر دیا گیا جب یہ جرائد دوبارہ شائع ہوئے تو ۲۶ جولائی کو ان کے ڈیکلریشن کالعدم قرار دے دیئے گئے۔ ڈائرکٹریٹ آف پبلک ریلیشنز پنجاب نے ایک خط کے ذریعے ان جریدوں کے ناشروں کو اطلاع دی کہ پریس اینڈ پبلیکیشنز آرڈیننس کی دفعہ ۹ (۳) کی روشنی میں ان کے ڈیکلریشن ختم ہو چکے ہیں۔ اس دفعہ کے تحت اگر کوئی ہفت روزہ لگاتار دو ہفتے تک اور ماہنامہ دو ماہ تک شائع نہ ہو تو ڈیکلریشن منسوخ ہو جاتا ہے۔ ڈائرکٹریٹ آف پبلک ریلیشنز کے اس خط میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ان جریدوں کے ڈیکلریشن بچ سکتے تھے بشرطیکہ وہ آرڈیننس کی دفعہ ۹ (۵) کی راہ اپناتے۔ اس کے تحت پبلشروں اور پرنٹروں کو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کو اپنی وضاحت کے ذریعے اس بات سے مطمئن کرتے کہ ان کے جریدے ایسی وجوہ کی بنا پر جو ان کے بس سے باہر تھے نہ تو شائع ہو سکے اور نہ ہی شائع ہو سکتے تھے۔

حکومت کی یہ دلیل نہایت بودی ہے۔ حکومت جانتی ہے کہ اس نے خود ان جریدوں کو بند کیا، مدیروں اور ناشروں کو پابندِ سلاسل کیا ... اور یہ حالات ناشروں اور پرنٹروں کے بس سے باہر تھے لہٰذا وضاحت کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی۔

• ۱۷ جولائی ۱۹۷۲ء کو مرکزی حکومت نے روزنامہ "سن"، کراچی کا ڈیکلریشن منسوخ کر دیا ہے۔ اس اخبار نے ۱۷ جولائی ۱۹۷۲ء کے شمارے کی تمام کاپیاں اور پریس بحقِ سرکار ضبط کر لیا گیا۔ یہ اقدام ڈیفنس آف پاکستان رولز کے تحت کیا گیا۔ الزام یہ لگایا گیا کہ اس اخبار نے "لسانی آرڈیننس نافذ ہو گیا" کے عنوان سے ایک خبر سنسر شپ کے لیے پیش کیے بغیر لگا دی۔ اس طرح نہ صرف سنسر شپ کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوا۔ بلکہ عوام میں انتشار اور خلفشار بھی پھیلایا۔

• ۱۸ جولائی ۱۹۷۲ء کو حکومتِ پنجاب نے روزنامہ "نوائے وقت" لاہور اور روزنامہ "امروز" ملتان کے ناشروں اور پرنٹروں کو اظہارِ وجوہ کے نوٹس دیئے۔ اور کہا گیا ہے کہ وہ ۲۲ جولائی کی دوپہر تک وہ وجوہ بتائیں کہ ان سے قابلِ اعتراض تحریریں شائع کرنے اور چھاپنے پر ساٹھ ساٹھ ہزار روپے کی ضمانتیں جمع کرنے کے لیے کیوں نہ کہا جائے۔ ان اخبارات پر پنجاب اور سندھ کے عوام کے درمیان منافرت پھیلانے کا الزام لگایا گیا۔

• ۲۲ جولائی کو حکومتِ پنجاب نے روزنامہ "جنگ" راولپنڈی کے پرنٹر اور پبلشر کے نام اظہارِ وجوہ کے دو نوٹس جاری کیے اور کہا گیا کہ ان سے تیس تیس ہزار کی ضمانت جمع کرانے کے لیے کیوں نہ کہا جائے۔ "جنگ" راولپنڈی پر ۶ جولائی کو لسانی فسادات کے سلسلے میں نکالے جانے والے جلوس سے متعلق ایک "قابلِ اعتراض" خبر شائع کرنے کا الزام لگایا گیا۔

• ۲۵ جولائی ۱۹۷۲ء کو روزنامہ "جنگ" کوئٹہ کا نیوز پرنٹ کا کوٹہ منسوخ کر دیا گیا۔ اس پر نیوز پیپر کنٹرول آرڈیننس کی دفعہ ۵ (۲) کی خلاف ورزی کرنے کا الزام لگایا گیا۔

آزادیٔ صحافت کے نام پر

عوام دوست صحافیوں کو برطرف کردیا گیا

ابوالمنصور

اُردو کے نام پر کراچی اور سندھ کے دوسرے شہروں میں قتل و غارت گری کا جو بازار گرم ہوا - ابھی اس کے زخم تازہ تھے کہ کراچی کی اُردو بولنے والی مہاجر بستیوں میں ۴۴ جولائی کو فتنہ وفساد کی آگ ایک بار پھر بھڑک اٹھی۔ یہ ہنگامے بھی اسی منظم سازش کی ایک کڑی تھے جس کے تحت زبان کے مسئلہ کی آڑ میں وسیع پیمانے پر مہاجر سندھی فسادات برپا کرائے گئے۔

حالیہ ہنگاموں میں آزادیٔ صحافت کو ڈھال بنایا گیا۔ یہ بظاہر روزنامہ "سن" پر پابندی کے خلاف احتجاج تھا۔ لیکن یہ مسئلہ نہ ہوتا تب بھی کوئی دوسرا مسئلہ محاذ آرائی کے لئے پیدا کیا جاتا۔ اس کے لئے زمین پہلے ہی ہموار کرلی گئی تھی۔ چنانچہ جس روز اُردو سندھی تنازعہ پر سمجھوتہ کا اعلان ہوا۔ اسی روز جماعت اسلامی کے نیم سرکاری اخبار "جنگ" نے "بہاریوں کے قتلِ عام" کے عنوان سے ایک اشتعال انگیز اداریہ لکھا۔ حالانکہ مشرقی پاکستان میں بہاریوں پر ظلم وستم کوئی نیا المیہ نہیں اس سلسلے میں پہلے ہی کراچی میں بہت ہنگامہ برپا ہو چکا ہے۔ نہ اس کے اظہار کا اس وقت موقع تھا، نہ کوئی جواز تھا۔ یہ صرف پیپلز پارٹی کی حکومت کے خلاف نیا محاذ کھولنے کا سگنل تھا۔

مگر اس کی نوبت نہ آئی (شاید بعد میں آئے) اسی دوران کراچی کے صحافیوں نے پی ایف یو جے اور کے یو جے کی قیادت میں "آزادیٔ صحافت کے جذبے سے سرشار ہو کر "سن" پر پابندی اور پنجاب کے تین اخبارات کو اظہار وجوہ کے نوٹسوں کے خلاف آواز بلند کی۔ اس مہم میں این۔ یو۔ جے اور اے پی این ایس کے ساتھ جماعت اسلامی اور دوسری اسلام پسند جماعتوں کے دوش بدوش نیپ بھی کسی نہ کسی طور شامل ہو گئی۔

یہ عجیب اجتماع ضدین تھا۔ ظالم اور مظلوم ایک صف میں کھڑے تھے۔ شیر اور بکری ایک گھاٹ پانی پیتے تھے۔ اس لئے کہ یہ این یو جے اسلام پسند صحافیوں کی وہی جماعت ہے جس نے پی ایف یو جے کو ختم کرنے کے واسطے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد علیحدہ بنائی۔

اپریل ۱۹۷۰ء میں جب عامل صحافیوں نے اپنے جائز حقوق کے لئے جدوجہد کی اور ملک گیر ہڑتال کی تو اسلام پسند صحافیوں کا یہ طائفہ پی ایف یو جے میں شامل تھا۔ ہڑتال کا آغاز ہوا تو اسلام پسند صحافیوں کا کردار یہ تھا کہ ہڑتالیوں کے ساتھ پورے جوش وخروش کا اظہار کرتے تھے۔ پیمانِ وفا باندھتے تھے اور راتوں کو چھپ چھپ کر اخبارات کے مالکان کے ساتھ سازباز کرتے تھے۔ ہڑتالی صحافیوں کی تمام سرگرمیوں کی ایک ایک تفصیل بتاتے تھے۔ ہڑتال کو ناکام بنانے کے منصوبے تیار کرتے تھے۔

یہ پاکستانی صحافت کی تاریخ کا وہ پُرآشوب دور تھا جب پیپلز پارٹی ملک کی واحد سیاسی جماعت تھی جو عامل صحافیوں کی جمہوری جدوجہد میں برابر کی شریک تھی اور جماعت اسلامی اور دائیں بازو کی تمام سیاسی جماعتیں یحیٰی حکومت کے رسوائے زمانہ وزیر اطلاعات نواب زادہ شیر علی خاں کی قیادت میں عامل صحافیوں کی ہڑتال کو ناکام بنانے کے لئے ہر طرف سازشوں کا جال پھیلاتی تھیں۔ ان دنوں ہڑتال کرنے والے صحافیوں کو پاکستان دشمن، کافر اور ملحد کہا جاتا ان کے خلاف طرح طرح کی گمراہ کن خبریں شائع کرائی جاتیں۔ شر انگیز بیانات دیئے جاتے۔ فتوے جاری کئے جاتے۔

اس طرح اخباری سرمایہ داروں، جماعت اسلامی اور شیر علیخاں کے "متحدہ محاذ" نے ہڑتال کرنے والے صحافیوں کے خلاف مورچہ لگایا۔ ان کے جمہوری حقوق پر شبخون مارنے کا منصوبہ بنایا۔ چنانچہ جب ہڑتال کامیابی اور کامرانی کے مراحل طے کرتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی اور اخبارات کے مالکان ان کے عزم اور حوصلے کے سامنے خود کو بے بس محسوس کرنے لگے تھے اور ہتھیار ڈالنے کے سوا کوئی چارہ کار نہ پا رہے تھے تو جماعت اسلامی نے اپنے ترکش کا آخری تیر چلایا۔ تمام اسلام پسند صحافی اپنے دوسرے ساتھیوں سے غداری کر کے راتوں رات اخبارات میں واپس چلے گئے۔ انہوں نے جماعت کے کارکنوں کیساتھ مل کر اخبارات کی اشاعت شروع کردی۔ ہڑتال ناکام ہو گئی۔

اخباری سرمایہ داروں کی تنظیم اے پی این ایس، وہی جماعت ہے۔ جس نے عامل صحافیوں کو ان کے جائز حقوق سے محروم کرنے کے لئے یہ بے تکا اور مضحکہ خیز عذر تراشا تھا کہ وہ کوئی تنظیم نہیں۔ چنانچہ جب صحافیوں کی ہڑتال ناکام ہو گئی تو اسی اے پی این ایس نے جماعت اسلامی کی سفارش پر چن چن کر ان تمام صحافیوں کو برطرف کر دیا جو جماعت کے حلقہ بگوش نہ تھے۔ اس مجرمانہ کارروائی کی تائید اور حمایت میں شورش کاشمیری اور الطاف حسن قریشی نے "چٹان" اور "زندگی" کے صفحات سیاہ کر دیئے، مودودی، احتشام الحق اور نورانی نے تحسین وآفرین کے ایسے ڈھول پیٹے کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔

ادھر مسرت وشادمانی کی شہنائیاں بجتی تھیں۔ جشنِ فتح منایا جاتا تھا۔ دوسری طرف عامل صحافیوں کے گھروں میں اندھیرے کی پرچھائیاں منڈلاتی تھیں۔ یاس اور ناامیدی کے سائے پھیلتے تھے۔ مستقبل تاریک تھا۔ فاقہ کشی اور بے روزگاری کا عفریت منہ کھولے کھڑا تھا۔ ظالموں نے احتجاج کا حق تک چھین لینے کی کوشش کی۔ پی ایف یو جے کو قتل کرنے کے لئے ایک سازش کے تحت اے پی این ایس کی سرپرستی میں این یو جے قائم کی گئی۔ جس کا بنیادی مقصد اخبارات پر اسلام پسندوں کا قبضہ تھا اور دوسرے صحافیوں کو ان کی جائز جدوجہد سے محروم کرنا تھا۔ انہیں فاقہ کشی اور بے روزگاری کے عذاب میں مبتلا کرنا تھا۔

اپنی ان کوششوں میں ان اسلام پسند صحافیوں اور ان کے آقاؤں کو کامیابی بھی حاصل ہوئی۔ کم وبیش دو سال تک سینکڑوں صحافی بے روزگاری کے عذاب میں مبتلا رہے۔ ہر دو سال کا یہ پُرآشوب سلسلہ تاریک راتوں اور تاریک دنوں کا طویل سلسلہ تھا۔ یہ اذیت ناک سلسلہ اس وقت ٹوٹا۔ اس عذاب سے بیروزگار صحافیوں کو اُس وقت نجات ملی جب پیپلز پارٹی برسرِاقتدار آئی۔ اُس نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ بیروزگار صحافی اپنی ملازمتوں پر بحال ہوئے۔

غرضیکہ آزادیٔ صحافت کا ایک رُوپ وہ تھا، جو دیکھنے والوں نے اپریل ۱۹۷۰ء میں دیکھا۔ اُس وقت عامل صحافیوں کی حمایت میں کہیں ہڑتال نہ ہوئی۔ حتیٰ کہ لیاقت آباد، ناظم آباد اور گولی مار میں بھی

باقی صفحہ ۲۷ پر ملاحظہ فرمائیں

پھر سب سے آگے

efu کی نئی اور انوکھی بیمہ پالیسی

اِس انوکھی اسکیم کے تحت آپ پہلا پریمیم ادا کر دیں اور پھر دس سال تک آپ کی پالیسی کبھی کالعدم نہ ہو گی۔ خدانخواستہ اِس مُدّت میں اگر موت واقع ہو جائے تو انشورنس کی پوری رقم ادا کی جائے گی، خواہ

- آپ نے پریمیم کی آئندہ قِسطیں ادا نہ کی ہوں۔
- پالیسی سرنڈر (حوالے) کر دی ہو۔
- یا اُسے اداشدہ (پیڈ اَپ) پالیسی میں مُنتقِل کرا دیا ہو۔

اور آپ کو درج ذیل فوائد حاصِل ہوں گے

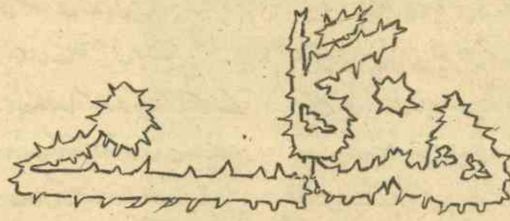
- مقررہ میعاد پوری ہونے کے بعد انشورنس کی پوری رقم ادا کی جائے گی۔
- اگر دس سال کے اندر موت واقع ہو جائے تو انشورنس کی کل رقم کے علاوہ حوالہ شدہ پالیسی کی قیمت بھی ادا کی جائے گی (اگر وہ اس سے پہلے ادا نہ کی گئی ہو)۔
- آپ پریمیم کی رقم جب چاہیں ادا کریں پالیسی کبھی ضائع نہیں ہو گی۔

ایسٹرن فیڈرل یونین انشورنس کمپنی لمیٹڈ

آپ کی اپنی بیمہ کمپنی

EFU - 646 - 72-U

THAVER



لسانی بل
اور
آرڈیننس

اُردو کے لئے نہیں، سیاسی انتقام کے لئے ہوئے

شاھد

اُردو کے نام پر پچھلے دنوں پورے سندھ میں مہاجر سندھی فسادات کی آگ بھڑکی۔ مسلمان نے مسلمان کے خون سے ہاتھ رنگے۔ قتل و غارت گری ہوئی، لوٹ مار ہوئی۔ کتنے ہی خاندان بے سہارا ہو گئے۔ کتنے ہی گھر اجڑ گئے۔ کسی کے سر سے باپ کا سایہ اٹھ گیا۔ کوئی ماں کی مامتا سے محروم ہو گیا۔ کسی کا دقار چھوٹا۔ کسی کا گھر بار چھوٹا۔ بے گھروں کے قافلوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جس کو جہاں پناہ نظر آئی وہ اس طرف بھاگا۔ پڑوسی پہ سے پڑوسی کا اعتماد اٹھ گیا۔ سالہا سال کی قربت کے رشتے دیکھتے ہی دیکھتے منقطع ہو گئے۔ مہاجروں اور سندھیوں کے درمیان نفرت زہر کی طرح سرایت کر گئی۔

لیکن اتنی بڑی تباہی اور بربادی کا صلہ کیا ملا۔ صرف ایک "آرڈی ننس"! یہ آرڈی ننس گورنر سندھ نے سندھی زبان کے بارے میں نافذ کیا ہے۔ اس آرڈی ننس پر اُردو کے خود ساختہ نمائندوں نے مسرت اور اطمینان کا اظہار کیا ہے۔ یہ آرڈی ننس نیا نہیں۔ چند روز قبل بھی ایسا ہی آرڈی ننس جاری کیا گیا تھا۔ اس وقت بھی اُردو کے ان نمائندوں نے اس کی تائید کی تھی۔ اطمینان کا اظہار کیا تھا۔

جب پہلا آرڈی ننس اطمینان بخش تھا تو دوبارہ اُسے کیوں جاری کیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس سے نمائندے تو مطمئن ہو گئے۔ مگر اردو بولنے والے مہاجرین مطمئن نہ تھے۔ انہوں نے اس پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ نمائندوں کا گھیراؤ کیا۔ انہیں طرح طرح کی دھمکیاں دیں کھلم کھلا مذمت کی۔ اس صورتِ حال سے پریشان ہو کر نمائندے بھاگے بھاگے صدر بھٹو کے پاس پہنچے۔ فریادی ہوئے کہ اردو بولنے والے آرڈی ننس سے مطمئن نہیں ہیں۔ ٹیلی فون پر طعنہ زنی کی جاتی ہے۔ قتل کی دھمکیاں دی جاتی ہیں۔ گھروں سے باہر نکلنا عذاب ہے۔

چنانچہ آرڈی ننس کے متن کی اشاعت روک دی گئی۔ اردو کے ان نمائندوں کے مشورے سے آرڈی ننس میں ترمیم کی گئی۔ بعض دفعات کی وضاحت کی گئی۔ اس کے باوجود اس آرڈی ننس اور پچھلے آرڈی ننس میں کوئی فرق نہیں۔ صرف چند الفاظ کا ہیر پھیر ہے۔ اگر توجہ سے مطالعہ کیا جائے تو ترمیم اور وضاحت کے باوجود آرڈی ننس اور سندھی زبان کے اس بل میں کوئی بنیادی فرق نہیں۔ جو ۷ جولائی کو صوبائی اسمبلی نے منظور کیا تھا اور جس کے خلاف بطورِ احتجاج اُردو کی حمایت میں تحریک چلائی گئی۔ جو ہزاروں خاندانوں کی تباہی اور بربادی کا باعث بنی۔

دراصل آرڈی ننس اور بل میں اگر کوئی فرق ہے تو صرف اس قدر ہے کہ "آرڈی ننس میں اردو بولنے والے حکومت سندھ کے ملازمین کے لئے بارہ سال کے لئے تحفظ کی ضمانت فراہم کی گئی ہے۔ بل میں اس کا ذکر نہ تھا۔ ضرورت بھی نہ تھی۔ سرکاری ملازمت کے قواعد و ضوابط میں ایسے تحفظات کی پہلے ہی سے ضمانت موجود ہے۔ پھر اس کا اظہار کیوں کیا گیا؟ اس لئے کیا گیا کہ اُردو کے خود ساختہ نمائندوں کا یہی اصرار تھا۔

بل اور آرڈی ننس
ایک ہی مسئلے کے دو رُخ ہیں

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ آرڈی ننس اطمینان بخش ہے تو سندھی زبان کا بل بھی اطمینان بخش ہے۔ اگر بل اردو کے حق میں نہ تھا تو یہ آرڈی ننس کس طرح اُردو کے حق میں ہو گیا۔ اس لئے کہ اُردو کو جو تحفظ آرڈی ننس میں دیا گیا ہے، وہی تحفظ اردو کے لئے بل میں موجود ہے۔ دفعات اور قانونی اصلاحات کی وضاحت سے نفسِ موضوع پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ حقائق اپنی جگہ رہے اور حقائق یہ ہیں کہ آرڈی ننس میں اردو کی جو حیثیت متعین کی گئی ہے، وہی بل میں موجود ہے۔ یہ کہنا کہ آرڈی ننس میں بل کے مقابلے میں اُردو کو تحفظ مل گیا ہے، ہرگز درست نہیں۔ یہ سیاسی شعبدہ گری ہے۔ عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش ہے۔

صحیح صورت یہ ہے کہ سندھی زبان کے بارے میں صوبائی اسمبلی نے جو بل منظور کیا ہے، وہ نہ صرف پاکستان کے عبوری آئین کے تحت ہے بلکہ اس سے قطعی مطابقت رکھتا ہے۔ بل میں اس بات کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے۔

"عبوری آئین کی دفعات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے حکومت سرکاری محکموں، دفاتر بشمول عدالتوں اور اسمبلی میں سندھی زبان کے ترقی پسندانہ استعمال کے لئے انتظامات کر سکتی ہے۔"

عبوری آئین کی دفعہ ۲، شق ۲۶۷ میں نہایت وضاحت کے ساتھ اُردو کو اسلامی جمہوریہ پاکستان کی قومی زبان قرار دیا گیا ہے۔ علاقائی زبانوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ صوبائی اسمبلیاں، قومی زبان اُردو کے ساتھ علاقائی زبانوں کی ترقی اور نشو و نما کر سکتی ہیں۔ تعلیم، فروغ اور استعمال کے لئے قانون بنا سکتی ہیں۔ اُردو زبان کے تحفظ کے لئے اس سے زیادہ اور کیا ضمانت ہو سکتی ہے۔

رہا صوبائی اسمبلیوں کا سوال تو وہ عبوری آئین کے دائرہ اختیار سے ہرگز باہر نہیں۔ عبوری آئین کے مقابلے میں ان کی حیثیت خود مختار اداروں کی نہیں ذیلی اداروں کی ہے۔ عبوری آئین کے تحت صدرِ مملکت کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اگر کوئی صوبائی اسمبلی آئین کی خلاف ورزی کرے تو وہ اُسے توڑ کر گورنر راج نافذ کر سکتے ہیں۔ صوبائی نظم و نسق کو مرکزی حکومت کی تحویل میں لے سکتے ہیں۔ ایسی صورت میں کسی صوبائی اسمبلی کے لئے یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ وہ آئین کی خلاف ورزی کر کے اپنے لئے مشکلات پیدا کرے۔ خصوصیت کے ساتھ ایسی صورت میں جب کہ مرکز اور صوبہ سندھ میں ایک ہی سیاسی جماعت کی حکومت ہے۔

اگر صورتِ حال یہ ہے تو پھر سندھی زبان کے بل پر یہ ہنگامہ کیوں برپا ہوا؟ بات یہ ہے کہ بل کا مسودہ کچھ اس طرح تیار کیا گیا کہ اس سے ابہام کا پہلو نکلتا ہے۔ بل ہو یا آئین، ان کی زبان ہمیشہ

قانون کی زبان ہوتی ہے۔ تکنیکی زبان ہوتی ہے۔ جس کی تشریح آسان نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں جتنے بھی آئین نافذ ہوئے، وہ مبہم کہلائے۔ صدیاں گزر جانے کے باوجود آج بھی ہر آئین کی تشریحات کا سلسلہ جاری ہے۔ ماہرین قانون اِن میں نت نئے نکات پیدا کرتے ہیں۔ عدالتوں میں ان پر مہینوں، ہفتوں بلکہ برسوں بحث ہوتی ہے ایک ایک دفعہ کی تشریح سے دفتر کے دفتر بھر گئے۔ اور ہنوز یہ سلسلہ ختم نہیں ہوا۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ کوئی آئین، کوئی قانون مکمل نہیں ہوتا۔

سندھی بل کے خلاف ہنگامہ آرائی کی دوسری وجہ اور بنیادی وجہ یہ ہے کہ اردو کے یہ خود ساختہ نمائندے اور ان کے ہمنوا اپنی کم علمی اور ذہنی کم مائیگی کے سبب بِل کا مفہوم یا تو سرے سے سمجھ ہی نہیں سکے یا جنہوں نے اُسے سمجھا انہوں نے سیاسی طبیعت کے باعث جان بوجھ کر غلط فہمیاں پیدا کرائیں۔ سیاسی فضا۔ کچھ ایسی تھی کہ شک و شبہات پہلے سے موجود تھے۔ اردو بولنے والوں میں یہ شک و شبہات مودودیوں کے اخبارات "جسارت" اور "جنگ" نے پھیلائے تھے۔ انہوں نے سندھی رہنماؤں کے بیانات توڑ مروڑ کر شائع کئے۔ درست ہے کہ بعض انتہا پسند سندھی طلباء اور سیاست دانوں نے غیر ذمہ دارانہ روش اختیار کی۔ مگر ان اخبارات نے انہیں اشتعال انگیز بنایا۔ نفرت کا بیج بویا۔

غرضیکہ فضاء میں کشیدگی تھی۔ لاوا اندر ہی اندر پک رہا تھا۔ بل کے پیش ہونے سے پہلے ہی مودودیوں اور دوسرے اسلام پسندوں نے طرح طرح کی افواہیں پھیلانی شروع کر دی تھیں! اسی دوران نیشنل عوامی پارٹی کے سیکرٹری جنرل محمود الحق عثمانی کے اپنی پارٹی کے ساتھ اختلافات پیدا ہوئے۔ انہیں اپنا سیاسی مستقبل تاریک نظر آنے لگا۔ انہوں نے پارٹی سے بغاوت کی۔ اس کے منشور کی کھلم کھلا خلاف ورزی کی اور مہاجرین کی لیڈری سنبھالنے کے شوق میں اردو کے نام پر مودودیوں اور اسلام پسندوں کے حلقہ بگوش ہو گئے۔

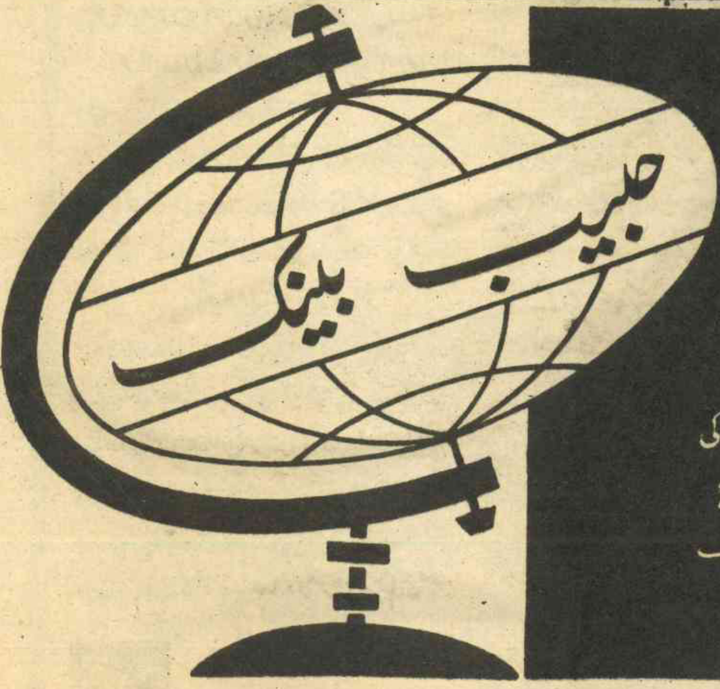
اس سیاسی گٹھ جوڑ نے فضاء کو اور مکدر کیا۔ کراچی کے سرمایہ داروں نے جو مزدوروں کی حالیہ انقلابی ہڑتال سے پہلے ہی بدحواس تھے، اس صورتِ حال کو غنیمت جانا۔ مزدوروں کی تحریک کو سبوتاژ کرنے کا موقع ہاتھ آیا۔ انہوں نے سیاست گروں کے اس گروہ کی سرپرستی فرمائی۔ اس طرح ایک سازش کے تحت اردو کے نام پر پورے سندھ میں مہاجر سندھی فسادات پیدا کرائے گئے۔

اب صورتِ حالات یہ ہے کہ ہر جگہ امن و امان بحال ہو چکا ہے جماعت اسلامی، نیپ اور سرمایہ داروں کی سازش کا شکار ہو کر جو لوگ ہنگاموں اور فسادات میں شریک ہوئے، اُن کی آنکھیں کھلتی جا رہی ہیں۔ غلط فہمیاں رفع ہوتی جا رہی ہیں۔ سازشیوں اور خود ساختہ اردو کے نمائندوں کے خلاف نفرت پیدا ہو رہی ہے۔ نیپ کے کارکن اردو بولنے والے مہاجرین کے علاقوں میں جانے سے کتراتے ہیں۔ جو لوگ مہاجرین اور اردو کے نمائندے بنے تھے اُن کا حال یہ ہے کہ ہر ایک کے ہاتھ میں ایک ایک برش ہے اور جگہ جگہ اپنی پوزیشن صاف کرتے پھرتے ہیں۔ اخبارات کو اپنی صفائی میں بیانات دیتے ہیں۔ مضامین شائع کرواتے ہیں۔ ٹیلی فون پر لوگوں کی مسلسل گالیاں سنتے ہیں۔ ڈر کے مارے گھروں سے باہر نہیں نکلتے۔ انہیں ہر طرف خطرہ ہی خطرہ منڈلاتا نظر آتا ہے۔ ہر دم گھروں پر حملے کا دھڑکا رہتا ہے۔

لیکن جماعت اسلامی والے ہمیشہ کے ڈھیٹ ہیں۔ وہ گالیاں کھا کر بھی بے مزہ نہیں ہوتے۔ انہوں نے عوام کی نفرت کے اس طوفان کو ٹالنے کے لئے حسب معمول افواہوں کی فیکٹریاں کھول دی ہیں۔ اسلام کے نام پر جس قدر جھوٹ اس جماعت نے بولا، تاریخ میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ اس جماعت کے وہ کارکن جو توڑ پھوڑ کرتے تھے۔ دیواروں پر تازہ بہ تازہ، نو بہ نو گالیاں لکھتے تھے اب اُسی شدت کے ساتھ پیپلز پارٹی اور حکومت کے خلاف نت نئی افواہیں پھیلاتے ہیں۔ کبھی لاہور میں کرفیو لگاتے ہیں، کبھی گورنر پنجاب کا گھر جلواتے ہیں۔ کبھی مارشل لا نافذ کرواتے ہیں۔ ہر رات جماعت کے دفتروں میں نت نئی افواہیں گھڑی جاتی ہیں اور صبح کوچہ و بازار میں پھیلا دی جاتی ہیں۔ جب تک اخبارات پر سنسر تھا، یہ حربہ کسی نہ کسی طور کارگر ہو جاتا۔ اب افواہوں سے کام نہیں چلتا۔ اُلٹی جان عذاب میں آگئی۔ کچھ مودودیئے افواہیں پھیلانے پر سرِ بازار پٹے، ذلیل و خوار ہوئے۔ مگر اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے۔ اب وہ عام طور پر مسجدوں کے اندر افواہیں پھیلانے کا کاروبار کرتے ہیں۔ اور دس روپے، تیس روپے یومیہ تک کماتے ہیں۔ ڈھٹائی سے جھوٹ بول کر اپنی عاقبت خراب کرتے ہیں۔

"اردو تحریک" میں پھوٹ پڑ چکی ہے۔ الگ الگ گروہ بن چکے ہیں۔ ان میں کوئی مودودی گروپ ہے، کوئی عثمانی گروپ ہے کوئی جمعیت العلمائے پاکستان گروپ، کوئی جمعیت العلمائے اسلام گروپ ہے۔ یہ گروپ ایک دوسرے پر الزام تراشی کرتے ہیں اور خود کو معصوم ثابت کرتے ہیں۔

سب سے زیادہ قابل رحم حالت ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی اور میجر آفتاب حسن کی ہے جو مہاجر صوبہ بنوا کر گورنر اور وزیر تعلیم بننے کے خواب دیکھ رہے تھے۔ گورنری اور وزارت تو کیا خاک ملتی، ان کے لئے سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ عوام کے بڑھتے ہوئے عتاب سے کس طرح گلو خلاصی حاصل کریں۔



لانگ مارچ کے دوران صدر ماؤ کے ساتھ - (۷)

رات بھر مجھ پر
اضطراب کی کیفیت طاری رہی



پارٹی کے وفادار رہو
اور عوام کی خدمت کرو

چھن چھانگ فنگ

ترجمہ : احفاظ الرحمٰن

"کس قسم کا کام ؟" انہوں نے سگریٹ سلگائی اور ذہنی طور پر گفتگو کے لئے تیار ہو گئے۔ میں نے انہیں ساری تفصیل بتادی۔

"بہت خوب، تمہارے پاس کتنے آدمی ہیں ؟"

"دو سو سے زیادہ۔"

یہ سن کر صدر ماؤ نے حیرت سے مجھے دیکھا اور مجھے چھیڑنے کے لئے کہنے لگے۔ "دو سو سے زیادہ ! اس کا مطلب یہ ہے کہ تم ایک چھوٹی سی بٹالین کے کمانڈر ہو (اس زمانے میں ہماری بیشتر کمپنیوں میں صرف ستر اسی آدمی ہوتے تھے)

میں ان کے یہ الفاظ سن کر جھینپ گیا۔

"کیا تم اپنا کام خوش اسلوبی سے انجام دے رہے ہو ؟"

یہ ان کا اگلا سوال تھا۔ "ایک انسٹرکٹر کی حیثیت سے تم نے یہ سیکھ لیا ہے کہ "اٹینشن" اور "ایٹ ایز" کی حالت میں کیسے کھڑا ہوجاتا ہے ؟"

مجھے یاد آیا کہ جب ہم نوعمری میں صدر ماؤ کی خدمت پر مامور ہوئے تھے تو ہمیں اٹینشن اور ایٹ ایز کی حالت میں کھڑے ہونے کا ذرا بھی سلیقہ نہیں تھا۔ یہ سوال کرتے وقت صدر ماؤ کے ذہن میں یہ بات تھی۔ میں نے مسکرا کر جواب دیا۔ "جی ہاں سیکھ لیا ہے۔ لیکن اب بھی مجھے تقریر کرنے کا ڈھنگ نہیں آیا، خاص طور پر شام کی حاضری کے وقت....."

انہوں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ "جب تم تقریر کرتے ہو تو کیا لوگ زمین پر پاؤں پٹخ کر اس بات کی شکایت کرتے ہیں کہ انہیں مچھر کاٹ رہے ہیں۔ ؟"

اس زمانے میں اگر شام کی حاضری کے وقت تقریر بہت لمبی اور غیر دلچسپ ہوتی تو بعض مسخرے اپنے پاؤں زمین پر پٹخنے لگتے تھے اور اگر اس کی وجہ دریافت کی جاتی تو وہ کہہ دیتے کہ مچھر کاٹ رہے ہیں۔ ظاہر ہے صدر ماؤ ہماری فوج کے مذاقوں سے پوری طرح واقف تھے۔

پھر وہ سنجیدہ ہو گئے اور انہوں نے پوچھا۔

"اب جب کہ تم کارکن بن چکے ہو۔ تمہیں چوکس رہنا چاہیئے۔ جب بات کرو تو ہر چیز کی وضاحت کرو۔ مبہم بات نہ کرو۔ غرور سے بچو اور خود نمائی سے پرہیز کرو" ! پھر پوچھنے لگے "کیا تمہارے سپاہی لکھنا پڑھنا سیکھ رہے ہیں۔"

میں نے کہا۔ "جی ہاں !" اور جب انہوں نے یہ پوچھا کہ تمہیں کون پڑھاتا ہے تو میں نے جواب دیا۔ "میں"۔ "تو تم معلم بھی ہو !" انہوں نے تعجب سے کہا۔ "تم دوسروں کو کیسے پڑھا سکتے ہو جب کہ خود تمہیں بہت تھوڑے سے الفاظ آتے ہیں۔ ؟"

"میں پڑھانے کے ساتھ ساتھ سیکھ بھی رہا ہوں۔" میں نے وضاحت کی۔ "جب میں کسی لفظ کو سمجھ نہیں پاتا تو اس کے معنی طالب علموں کی جیبی لغت میں دیکھ لیتا ہوں !"

یہ سن کر صدر ماؤ نے میری حوصلہ افزائی کی۔ "بہت خوب۔ محنت کرکے ہی تم مشکلات پر قابو پا سکتے ہو۔ تمہیں یاد ہے جب ہم چیانگشی میں تھے تو شیہہ چوہیہ ژائے، نژو تیہلی، اور سو چھوان کس طرح تمہیں لکھنا پڑھنا سکھایا کرتے تھے ؟"

میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ میں اس بات کو کیسے بھول سکتا تھا۔ ؟ چیانگ شی کے دور میں جب ہم کہیں قیام کرتے تھے تو ممتاز کارکن باری باری ہمیں لیکچر دیا کرتے تھے اور ہمیں لکھنے پڑھنے کا طریقہ سمجھاتے تھے۔ خاص طور پر کامریڈ شیہہ چوہیہ ژائے ہماری تعلیم میں بڑی دلچسپی لیتے تھے۔ صدر ماؤ بہت مصروف زندگی گزارتے تھے۔ جب انہیں لمحے بھر کی فرصت بھی ملتی تو وہ ہر ممکن طریقے سے تعلیم حاصل کرنے میں ہماری مدد کرتے تھے۔

اس زمانے میں جیسا کہ بعد میں بھی ہوتا رہا، سرخ فوج جہاں کہیں جاتی وہاں دیواروں وغیرہ پر نعرے چسپاں کر دیتی۔ صدر ماؤ ان نعروں کے الفاظ سیکھنے میں ہماری مدد کرتے تھے اور بعد میں امتحان لیتے تھے۔ انہی نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اپنا نام لکھنا سکھایا تھا۔ وہ مجھے مختلف قسم کی دوسری باتیں بھی سکھاتے رہتے تھے۔ جب ہم صوبہ فوچیئن میں لنگ ین کے مقام پر تھے، جو کوئلے کی کانوں کا ایک مرکز ہے، تو انہوں نے ہمیں بتایا تھا کہ زمین کے نیچے کوئلہ کس طرح بنتا ہے۔ جب ہم گرم پانی کے کسی چشمے کے پاس پہنچتے تو وہ اس کے اسباب پر روشنی ڈالتے۔ جب بادل گرجتا اور بجلی چمکتی تو وہ بتاتے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے

جب ہم صوبہ چیانگ سی میں ژوئی چھن کے مقام پر تھے تو صدر ماؤ کو سبزیوں کے لئے اتنا ہی الاؤنس ملتا تھا جتنا کہ ہم کو، ان کے پاس کوئی باورچی نہیں تھا۔ وہ چیئہ چنگ اور میں باری باری سامان خریدتے اور ان کا کھانا تیار کرتے۔ جب میں بازار سے واپس آتا تو اپنی نوٹ بک میں سبزیوں کے نام درج کر لیتا۔ ایک دن ان کی نظر ان فہرستوں پر پڑی تو انہوں نے پوچھا۔

سُرخ فوج جہاں جاتی دیواروں پر نعرے چسپاں کر دیتی

"کیا یہ تمہارا حساب کتاب ہے ؟"

"جی نہیں!" میں نے جواب دیا "یہ وہ الفاظ ہیں جو میں سیکھ رہا ہوں!"

"الفاظ سیکھنے کا یہ اچھا طریقہ ہے" انہوں نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا "کیا ووجیہ چنگ بھی اس طریقے پر عمل کرتا ہے۔"؟

جب میں نے جواب نفی میں دیا تو انہوں نے کہا "یہ تو بری بات ہے۔ ذرا اُسے میرے پاس بلاؤ!"

جب میں ووکو اپنے ساتھ لے کر آیا تو انہوں نے اس سے کہا "آج کے بعد جب تم کوئی سودا خریدو تو اس کا حساب کتاب ضرور لکھا کرو اور پھر مجھے رپورٹ دیا کرو!"

اس طرح وو سنجیدگی سے لکھنے پڑھنے پر مجبور ہو گیا۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ صدر ماؤ ہماری تعلیم میں کس قدر دلچسپی لیتے تھے۔

میں صدر ماؤ کو الوداع کہتا ہوں

جب جاپان کے خلاف جنگِ مزاحمت ہماری فتح کی صورت میں ختم ہو گئی تو ہماری پارٹی نے بہت سے کارکنوں کو نئے آزاد شدہ علاقوں میں بھیجا، جہاں عوام نئے فرائض کی تکمیل کے سلسلے میں ان کا انتظار کر رہے تھے۔ اس وقت میں ینان میں پبلک سیکورٹی کے تنگ کوان سب آفس کا سربراہ تھا۔ ایک روز مجھے پارٹی کی مرکزی تنظیم کے شعبے کی طرف سے طلب کیا گیا تاکہ مجھ سے ایک نئے کام کی انجام دہی کے سلسلے میں مشورہ کیا جائے۔ جب میں وہاں گیا تو شعبے کے ایک کامریڈ نے بتایا کہ پارٹی مجھے محاذ پر بھیجنا چاہتی ہے۔ اور مجھ سے یہ دریافت کیا گیا ہے کہ میں شان تونگ اور شمال مشرق میں سے کون سی جگہ جانا پسند کروں گا۔

کمیونسٹ پارٹی کے رکن کے لئے ایک اہم نکتہ یہ بھی ہے کہ وہ پارٹی کے احکامات کی تعمیل کرے۔ میں ہر اس جگہ جانے کو تیار تھا جہاں پارٹی کو میری ضرورت ہو۔ چنانچہ میں نے یہ مسئلہ پارٹی پر چھوڑ دیا کہ وہ خود ہی فیصلہ کرے۔

پارٹی نے فیصلہ کیا کہ مجھے کام کرنے کے لئے شان تونگ جانا چاہیئے۔

ماضی میں جب میرا کسی نئی جگہ پر تبادلہ کیا جاتا تھا تو میں اتنا پریشان کبھی نہیں ہوتا تھا جتنا کہ اِس بار ہوا۔ اس بار میں ینان چھوڑ کر ایک ایسی جگہ جا رہا تھا جو وہاں سے بہت دور تھی اور غالباً مجھے ایک طویل عرصے تک صدر ماؤ کو دیکھنے کا موقع نصیب نہیں ہو گا۔ گھر آتے ہی مجھے سب سے پہلے یہ خیال آیا کہ مجھے ان سے آخری بار مل لینا چاہیئے۔ میں نے انہیں فون کیا تو انہوں نے مجھے اگلی صبح کے لئے وقت دے دیا۔

رات بھر مجھ پر اضطراب کی کیفیت طاری رہی۔ نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ میں اپنی بیوی سے باتیں کرنے لگا۔ میں نے اُسے بچپن کے حالات بتائے۔ صدر ماؤ کے ساتھ گزارے ہوئے دنوں کے واقعات بتائے کہ وہ میرا کتنا خیال رکھتے تھے۔ کتنی سادہ زندگی بسر کرتے تھے اور پارٹی اور عوام کے لئے ان کے دل میں کس قدر وفاداری کا جذبہ موجزن تھا۔

اگلے روز ناشتہ کرنے کے بعد فوراً اپنی بیوی اور ایک سالہ بچی کے ساتھ گھر سے نکل گیا۔ جب ہم وان چیا پھینگ پہنچے، جہاں وہ رہتے تھے۔ تو ان کے باڈی گارڈ ہو چینگ ہوا نے کہا "صدر ماؤ بہت سویرے ہی سے اپنے دفتر میں بیٹھے آپ کا انتظار کر رہے ہیں!"

ہم اس کے ساتھ صحن میں داخل ہوئے۔ صدر ماؤ کی اہلیہ کامریڈ چیانگ چھینگ ہمارا خیر مقدم کرنے کے لئے باہر آئیں۔ انہوں نے ہم سے مصافحہ کیا اور بچی کو اپنے بازوؤں میں لے لیا۔ کچھ دیر بعد ہم صدر ماؤ کے ساتھ تھے، وہ اپنی ڈھیلی ڈھالی وردی میں پہلے سے زیادہ مضبوط نظر آ رہے تھے۔ میں نے انہیں سیلوٹ کیا۔ جیسا کہ پرانے دنوں میں کیا کرتا تھا۔ وہ ہمیں اپنے کمرے میں لے گئے اور جب ہم وہاں جا کر بیٹھ گئے تو انہوں نے پوچھا۔

"تم کہاں جا رہے ہو؟"

میں نے انہیں بتایا کہ میں شان تونگ جا رہا ہوں۔

"تو تم شمالی شینسی سے رخصت ہو رہے ہو، کیا تمہیں کوئی مسئلہ درپیش ہے۔؟"

میں نے جواب دیا۔ "نہیں۔"

پھر انہوں نے پوچھا کہ کیا میں اپنی بیوی اور بچی کو ساتھ لے جا رہا ہوں اور یہ کہ راستے میں ہمیں کوئی مشکل تو پیش نہیں آئے گی میرا جواب سننے کے بعد انہوں نے مجھے ہدایت کی کہ ان کا پوری طرح خیال رکھیں۔

پھر وہ میری بیوی سے باتیں کرنے لگے۔ انہیں یہ جان کر بڑی خوشی ہوئی کہ ہماری گھریلو زندگی بڑی خوش گوار ہے۔

وہ بچی سے کھیلنے لگے اور اس کے بارے میں مختلف قسم کے سوالات کرتے رہے۔ پھر انہوں نے میرے تبادلے کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ "جب کوئی شخص کسی نئی جگہ پر جاتا ہے تو اُسے یقیناً مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس کا انحصار تم پر ہے کہ تم ان پر قابو پانے کے لئے کیا طریقہ اختیار کرتے ہو۔" انہوں نے کہا "عوام سے قریبی طور پر رابطہ قائم رکھو!"، باتیں کرتے ہوئے انہوں نے ہو چینگ ہوا کو آواز دی جو اپنے ساتھ لسبکٹ کے دو پیکیٹ اور کچھ سوکھا ہوا گائے کا گوشت لئے اندر داخل ہوا۔ انہوں نے یہ چیزیں میرے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا۔ "اب جب کہ تم رخصت ہو رہے ہو، میرے پاس تمہیں دینے کے لئے کوئی اچھی چیز نہیں ہے، لیکن سفر کے دوران یہ چیز بچی کے کام آئے گی۔" میں نے اپنی جیب سے ایک چھوٹی سی نوٹ بک نکالی اور اُن سے کہا، "جناب صدر، میں آپ سے رخصت ہو رہا ہوں، کیا آپ میری نوٹ بک میں میرے لئے چند الفاظ تحریر کر دیں؟"

انہوں نے فوراً میری نوٹ بک میں یہ سطور لکھ دیں۔

کامریڈ چھانگ فنگ کے لئے

خوب محنت کرو، پارٹی اور عوام کے وفادار رہو، میری تمنا ہے تمہیں ہر جگہ کامیابی حاصل ہو۔

ماؤزے تنگ ۱۷ر مئی ۱۹۴۶ء

انہوں نے مجھے اپنی ایک تصویر بھی عنایت کی۔ مجھے ہو چینگ ہوا کی زبانی معلوم ہو گیا تھا کہ وہ بہت جلد ایک میٹنگ میں شرکت کے لئے جانے والے ہیں، اس لئے میں اور میری بیوی جانے کے لئے تیار ہو گئے۔

"کوئی جلدی نہیں ہے۔" صدر ماؤ نے کہا۔ "تم دوپہر کا کھانا کھانے کے لئے یہاں رکو، جب تک میں میٹنگ سے واپس آ جاؤں گا۔" انہوں نے ہو سے کہا کہ وہ کھانا پکائے اور ہم سے پوچھے کہ ہم کیا کھانا پسند کریں گے۔

ہم نے ان سے کہا کہ چونکہ اب ہمیں سفر کی تیاری شروع کرنی ہے، اس لئے ہم کھانے کے لئے رکنے سے معذور ہیں۔

صدر ماؤ ہمارے ساتھ باہر آئے۔ وہ بار بار مجھ سے کہتے رہے کہ اچھی طرح کام کرنا اور اپنی صحت کا خیال رکھنا۔ انہوں نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا، جسے میں نے مضبوطی سے تھام لیا۔ میرے منہ سے ایک لفظ تک نہ نکل سکا۔

۱۸ر مئی ۱۹۴۶ء کو میں ینان سے رخصت ہو گیا۔ جب سے اب تک کئی سال گزر چکے ہیں، لیکن اس دوران خواہ میں کسی محاذ پر لڑ رہا ہوتا یا پرامن دور کی تعمیر میں حصہ لے رہا ہوتا۔ میرا دل صدر ماؤ کے ساتھ رہتا۔ جب کبھی مجھے ان کا خیال آتا ہے تو میری قوت اور اعتماد میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ ان کی تصویر اور میری وہ نوٹ بک جس پر انہوں نے الوداعی پیغام تحریر کیا تھا، آج تک میرے پاس محفوظ ہیں۔ میں ہمیشہ ان کی نصیحت پر عمل کرتا رہوں گا۔ اپنے کام میں زیادہ سے زیادہ محنت کروں گا اور پارٹی اور عوام کا وفادار رہوں گا۔

خوش گوار یادیں

ینان میں صدر ماؤ سے رخصت ہوئے ۱۲ سال کا عرصہ گذر

صدر ماؤ نے ہمارے ساتھ بیٹھ کر گروپ فوٹو کھینچوایا

چکا ہے۔ مجھے یاد ہے ۱۱، مئی ۱۹۴۷ء کا دن تھا جب میں شان تونگ جانے سے پہلے انہیں الوداع کہنے کے لئے ان کے پاس حاضر ہوا تھا اور انہوں نے بڑی شفقت کیساتھ مجھ سے گفتگو کی تھی۔

"تو تم شان تنگ جارہے ہو" انہوں نے کہا تھا "یہ ایک اچھی جگہ ہے۔ یہ ہمارا ایک بہت بڑا انقلابی اڈہ ہے۔ چونکہ اب ہم بہت سی کاؤنٹیوں کو آزاد کرا چکے ہیں، اس لئے وہاں مختلف کاموں کے لئے کارکنوں کی ضرورت ہے۔ وہاں جا کر ہر صورت میں مقامی ذمے دار رہنماؤں کا احترام کرنا، تمہیں مقامی رہنماؤں سے پوری طرح متحد رہنا چاہیئے اور ان کے ساتھ اشتراک و تعاون کرنا چاہیئے۔ ——"

میں نے ان کی باتیں بڑے غور سے سنیں اور جب وہ خاموش ہوتے تو میں نے اپنی نوٹ بک نکالی اور ان سے درخواست کی کہ اس پر چند الفاظ لکھ دیں۔ انہوں نے نوٹ بک پر چند جملے لکھ کر اپنے دستخط کر دیئے —— انہوں نے مجھے اپنی ایک تصویر بھی عنایت کی تھی۔ اس وقت سے اب تک یہ چیزیں میرے پاس محفوظ ہیں۔

مجھے وہ دن بھی یاد ہیں جب میں پہلی بار ان کے اردلی کی حیثیت سے ان کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ جب میں ان کا باڈی گارڈ بنا تھا اور جب میں نے ان کے ساتھ لانگ مارچ میں حصہ لیا تھا۔

اس وقت میری عمر ۱۶ سال تھی، میں ان کی دیکھ بھال تو کیا کرتا۔

دراصل وہ میری دیکھ بھال کرتے تھے۔ انہوں نے مجھے انقلاب کے حقائق سے آگاہ کیا تھا، مجھے لکھنا پڑھنا سکھایا تھا اور جب کبھی مجھے گھر والوں کی یاد ستاتی تھی تو وہ میرے لئے خط لکھتے تھے۔

ایک رات جب کہ ہم موسلا دھار بارش میں مارچ کر رہے تھے تو وہ مجھے راستہ دکھانے کے لئے لالٹین اٹھا کر آگے آگے چلنے لگے تھے، تاکہ میں کہیں گر نہ پڑوں۔ ایک اور ناقابلِ فراموش واقعہ وہ ہے جب میں کوہ لیو پان کو عبور کرنے کے دوران ملیریا میں مبتلا ہو گیا تھا اور کئی دنوں تک صاحب فراش نہ ہو سکا تھا۔ اس وقت میں بہت کمزور تھا۔ پہاڑ کی چوٹی تک پہنچنے سے پہلے ہی میرے بدن پر بُری طرح کپکپی طاری ہو گئی تھی اور میں بے ہوش ہو گیا تھا۔ صدر ماؤ نے میرے لئے اپنا پرانا اوور کوٹ اتار دیا تھا اور خود اپنے باریک کپڑوں میں سرد ہواؤں کا مقابلہ کرتے رہے تھے۔

بہر حال، میری جسمانی آسائش کے مقابلے میں وہ میری سیاسی تعلیم کا اور زیادہ خیال رکھتے تھے۔ جب میں فروری ۱۹۳۶ء میں سرخ فوج کی اکیڈمی میں داخل ہونے کے لئے اُن سے رخصت ہو رہا تھا تو انہوں نے بڑی محبت اور سنجیدگی سے کہا تھا۔

"تعلیم حاصل کرنا اچھی بات ہے، اس لئے نہیں کہ اس کے بعد تم کوئی سرکاری عہدہ حاصل کرنے کی خواہش رکھو، بلکہ اس لئے کہ تم عوام کے لئے اور بہتر کام کر سکو گے۔ یقیناً تمہیں تعلیم حاصل کرنے کے دوران مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑے گا، لیکن اگر تم عوام کی خدمت کرنے کا جذبہ رکھتے ہو تو تم تمام مشکلات پر قابو پا لو گے۔"

جب میں ینان کے پبلک سیکورٹی بیورو میں کام کرتا تھا تو اس وقت بھی میں ایک نوعمر لڑکے کی طرح تھا۔ جب کبھی موقع ملتا میں صدر ماؤ کے پاس پہنچ جاتا اور ان سے جی بھر کے باتیں کرتا۔ میں اس زمانے میں عہدوں کو خاصی اہمیت دیا کرتا تھا۔ میرا خیال تھا کہ چار سال تک انسٹرکٹر کی حیثیت سے خدمات انجام دینے کے بعد میں ترقی پانے کا حق دار بن چکا تھا۔ ایک بار میں نے صدر ماؤ سے کہا۔ "جناب صدر، آپ کا کیا خیال ہے، مجھے کتنے عرصے تک انسٹرکٹر رہنا چاہیئے۔"

"ایک انسٹرکٹر کی حیثیت سے خدمت انجام دینا بھی ایک انقلابی کام ہے۔ کیا تم افسر بننے کی خواہش رکھتے ہو۔؟" انہوں نے پوچھا۔ "کمیونسٹ پارٹی میں اس شخص کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے جو صرف عہدے حاصل کرنے کی خواہش رکھتا ہو۔ ہم سب ایک جیسے ہیں۔ ہم عوام کے لئے کام کرتے ہیں۔ خواہ ہمیں کوئی عہدہ حاصل ہو یا نہ ہو۔ یہاں اس شخص کے لئے کوئی جگہ نہیں جو ترقی کی ہوس رکھتا ہے یا جاہ پرستی کا مظاہرہ کرتا ہے۔"

ان الفاظ نے میرے جذبوں کو نکھار دیا اور میرے ذہن پر گہرا تاثر قائم کیا۔ ینان سے شان تونگ جانے کے بعد اس تمام عرصے میں جب کبھی میرا ایک جگہ سے دوسری جگہ تبادلہ کیا گیا تو میں نے ذاتی مفاد کا خیال کئے بغیر ہمیشہ بلند جذبوں کے ساتھ کام کیا۔ کیونکہ صدر ماؤ کے یہ الفاظ میرے لئے روشنی لے کر آتے تھے اور میرے عزم کو تقویت پہنچاتے تھے۔

صدر ماؤ کو الوداع کہے ہوئے بارہ سال کا عرصہ گزر گیا اور اس عرصے میں میرے دل میں اکثر ان سے ملنے کی آرزو مچلتی رہی۔ جنگ کے دنوں میں جب کہ دشمن کی مواصلاتی لائنوں نے آزاد شدہ علاقوں کو کاٹ دیا تھا۔ میں صرف ان کو خط لکھ سکتا تھا۔ ملک گیر فتح حاصل ہونے کے بعد میرے دل میں ہمیشہ یہ خواہش جنم لیتی رہی کہ کاش میں پیکنگ جا کر ان سے مل آؤں لیکن کام کی مصروفیت کی وجہ سے مجھے موقع نہیں ملا۔

فروری ۱۹۵۳ء میں ایک دن جب کہ میں نانکنگ میں ایک فوجی تربیتی کلاس میں پڑھ رہا تھا۔ تو مجھے حکم ملا کہ میں ایک ممتاز کامریڈ کو رخصت کرنے کے لئے اپنے ہم جماعتوں کے ساتھ جمع ہو جاؤں۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ یہ ممتاز کامریڈ صدر ماؤ تھے۔ میں بہت خوش ہوا۔ جب وہ دستے کا معائنہ کر رہے تھے اور جب مجمع کی طرف ہاتھ لہراتے ہوئے ساحل پر کھڑی ہوئی گن بوٹ کی طرف جا رہے تھے تو میرے دل میں یہ خواہش مچل رہی تھی کہ اپنی صف سے نکل کر دوڑتا ہوا ان کے پاس جاؤں اور ان سے دو ایک باتیں کر لوں۔ ظاہر ہے یہ ممکن نہیں تھا۔ بس میں کھڑا ہوا گن بوٹ کو دھیرے دھیرے نظروں سے اوجھل ہوتے دیکھتا رہا۔

کچھ عرصے بعد جب فوج کے افسروں کے لئے چھٹیوں کا قانون نافذ ہوا تو میں اپنی چھٹیوں کا وقت اچھی طرح گذارنے اور صدر ماؤ سے پیکنگ میں ملاقات کرنے کی پرانی خواہش کی تکمیل کرنے کے لئے پیسے بچانے لگا۔

تاہم اس دوران غیر متوقع طور پر ایک خوش گوار واقعہ پیش آیا ۹، اگست ۱۹۵۰ء کا عظیم دن تھا۔ میں سینان صوبہ شان تونگ میں فوج کی پارٹی کانگریس میں شریک تھا کہ صدر ماؤ تمام نمائندوں سے ملاقات کرنے کے لئے تشریف لائے۔ جب میں نے انہیں کار سے باہر نکلتے دیکھا تو میرا دل بلیوں اچھلنے لگا۔ مجھے یقین تھا کہ اس بار مجھے ان سے باتیں کرنے کا موقعہ ضرور ملے گا۔ جب وہ ہمارے ساتھ بیٹھ کر گروپ فوٹو کھنچوا رہے تھے تو میں بڑی بے چینی کے ساتھ یہ سوچ رہا تھا کہ ان سے کیا بات کروں۔ پھر شاید کسی نے انہیں بتا دیا کہ میں بھی گروپ میں موجود ہوں۔ انہوں نے مجھے بلانے کو کہا۔ میں جلدی سے ان کے پاس پہنچا۔ جب میں انہیں سیلیوٹ کر رہا تھا تو میرے ذہن سے وہ بات نکل گئی جو میں ان سے کہنا چاہتا تھا۔ جذبات کی شدت سے میری زبان گنگ ہو گئی۔ انہوں نے پہل کرتے ہوئے پوچھا۔ "تم چھن چھانگ فنگ ہو، ٹھیک ہے نا؟"

"جی ہاں!" میں نے دھیرے سے جواب دیا۔

انہوں نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا جسے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں میں مضبوطی سے تھام لیا۔ مجھ پر جذبات کا اتنا غلبہ تھا کہ میں ان کا حال احوال پوچھنا بھول گیا۔

"ہمیں جدا ہوئے دس سال سے زیادہ عرصہ ہو چکا ہے۔" انہوں نے کہا۔ "تم کیسے ہو؟"

"بارہ سال ہو چکے ہیں!" میں نے ہمت کرتے ہوئے کہا، "جناب صدر، آپ کی طبیعت کیسی ہے؟"

"تم کہاں کام کر رہے ہو؟"

"ایک سب ملٹری زون میں۔" میں نے جواب دیا۔

(باقی آئندہ)

INTERNATIONAL TELEPHONE AND TELEGRAPH CORPORATION
1707 L STREET, N. W.
WASHINGTON, D.C. 20036

WILLIAM R. MERRIAM
VICE PRESIDENT
DIRECTOR, WASHINGTON RELATIONS

October 1, 1971

The Honorable
Peter G. Peterson
Assistant to the President
for International Economic Affairs
Old Executive Office Building
Washington, D. C. 20500

Dear Pete:

When Mr. Geneen lunched with you a few weeks ago, he stated he feared ITT's seventy per cent owned Chilean Telephone Company (Chiltelco) would soon be expropriated. This has now happened! The take-over was on September 29, 1971.

As Mr. Geneen said, we anticipated this action and were attempting to delay or prevent it. However, during the past month, the Chilean government moved

انٹرنیشنل ٹیلیفون اینڈ ٹیلی گراف کارپوریشن کے نائب صدر مسٹر ولیم آر میریم کے مراسلے کا عکس



انٹرنیشنل ٹیلیفون اینڈ ٹیلیگراف کارپوریشن کے نائب صدر ولیم آر میریم

چلی کے آئینے میں پاکستان کے حالات دیکھئے

انٹرنیشنل ٹیلی گراف اینڈ ٹیلیفون کارپوریشن نے چلی کی حکومت کا تختہ الٹنے کا منصوبہ تیار کیا

نعیم آروی



پیٹر جی۔ پیٹرسن۔ صدر نکسن کے بین الاقوامی اقتصادی امور کے مشیر

چلی کے مارکسی صدر سلوادار الینڈی گوسنز کی حکومت کا تختہ الٹنے کے لئے انٹرنیشنل ٹیلی فون اینڈ ٹیلی گراف کارپوریشن نے خفیہ منصوبہ تیار کیا تھا ـــــ اس خوفناک اور سنسنی خیز سازش کی تیاری کے لئے اٹھارہ نکات پر مشتمل ایک تفصیلی رپورٹ تیار کی گئی اور انتہائی رازداری سے رپورٹ وائٹ ہاؤس پہنچا دی گئی۔ نکسن انتظامیہ کو اس منصوبے کی تفصیلات پر غور و خوض کرنا تھا ـــــ مارکسی حکومت کا دھڑن تختہ کرنے کے لئے چھ ماہ کی مدت رکھی گئی تھی۔

اقتدار میں آنے سے قبل چلی کی مارکسی پارٹی نے عوام سے انقلابی اصلاحات کا وعدہ کیا تھا۔ صدر سلوادار الینڈی نے کہا تھا کہ چلی کے عوام کا استحصال کرنے والی بیرونی کمپنیوں، کاروباری اداروں اور معدنی وسائل کو قومیا لیا جائے گا ـــــ بڑی بڑی صنعتوں کو قومی تحویل میں لے لیا جائے گا۔ استحصال کا مکمل طور پر خاتمہ کر کے سوشلسٹ بنیاد پر ملک کی تعمیر نو کی جائے گی ـــــ مارکسی پارٹی کے ان اعلانات سے چلی کے سرمایہ دار اور بیرونی کمپنیوں کی انتظامیہ سخت خوفزدہ اور پریشان تھی۔ انہوں نے انتخابات کے دوران مارکسی پارٹی کے خلاف زبردست سازشیں کیں، توڑ جوڑ کئے، اپنی دولت کا منہ کھول دیا، مگر عوام کی زبردست حمایت کے سبب سرمایہ دار اپنے منصوبے میں ناکام ہو گئے اور مارکسی پارٹی عام انتخابات میں بھاری اکثریت سے کامیاب ہو گئی۔ مارکسی پارٹی کی اس کامیابی سے غیر ملکی کمپنیوں کے مالکان اور چلی کے سرمایہ داروں کا بیشتاب خطا ہو گیا۔

انٹرنیشنل ٹیلی فون اینڈ ٹیلی گراف کے مالکان امریکی تھے۔ چلی کی ۷۰ فی صد ٹیلی فون کمپنیوں پر اس کارپوریشن کی اجارہ داری تھی۔ انٹرنیشنل ٹیلی فون کارپوریشن اس خوف میں مبتلا تھی کہ اگر مارکسی صدر نے اپنے وعدے کے مطابق غیر ملکی کمپنیوں کو قومی تحویل میں لے لیا اور ان کی املاک کو ضبط کر لیا تو اس عمل سے امریکی سرمایہ داروں کو سخت نقصان پہنچے گا۔ چنانچہ کارپوریشن نے چلی کے بعض سرمایہ داروں سے ساز باز کر کے مارکسی حکومت کا تختہ الٹنے کا منصوبہ تیار کیا۔ چلی میں کام کرنے والے سی آئی اے کے ایجنٹوں نے کارپوریشن کے اس خفیہ اور سنسنی خیز منصوبے میں ہر قدم پر ساتھ دیا اور ان کی ہدایات پر ۱۸ نکات پر مشتمل دستاویز تیار کی گئی۔

نکسن حکومت نے اس منصوبے پر عمل تو نہیں کیا۔ لیکن چلی حکومت کو جھٹکا لگانے کے لئے اپنے طور پر چند اہم اقدامات کئے۔ اور چلی کے ترقیاتی منصوبوں کے لئے دی جانے والی امداد اور قرضے بند کر دیئے۔

چلی کے مارکسی صدر کا تختہ الٹنے کے لئے جو یادداشت تیار کی گئی، اس کے روح رواں انٹرنیشنل ٹیلی فون اینڈ ٹیلی گراف کارپوریشن کے نائب صدر ولیم آر میریم اور صدر نکسن کے اسسٹنٹ پیٹر جی پیٹرسن برائے بین الاقوامی اقتصادی امور تھے۔ یہ آج کل کامرس سیکرٹری کے فرائض ادا کر رہے ہیں۔ چلی میں کارپوریشن نے تقریباً ۱۵ کروڑ ۳۰ لاکھ ڈالر کی سرمایہ کاری کی تھی۔

آئی ٹی ٹی نے مارکسی سوشلسٹ حکومت کے خلاف جو منصوبہ تیار کیا۔ اس میں سب سے پہلے چلی کو اقتصادی طور پر تباہ کرنے کے لئے بیرونی امداد اور قرضوں کی فراہمی روک دینے کی تجویز پیش کی گئی تھی۔ اقتصادی بدحالی کے سبب عوام میں بے چینی اور انتشار بڑھ جاتا۔ جگہ جگہ عوام کو تشدد اور لاقانونیت پر اکسایا جاتا۔ ہنگامے اور توڑ پھوڑ کی حوصلہ افزائی کی جاتی۔ اس کے نتیجے میں مسلح افواج کو پیش قدمی کرنی پڑتی۔ مارکسی حکومت کا خاتمہ کر دیا جاتا اور آئی ٹی ٹی اور ملکی سرمایہ دار احتساب سے بچ جاتے۔ رپورٹ میں یہ تجویز بھی پیش کی گئی تھی کہ اس چھ ماہ کی مدت میں سی آئی اے کے ایجنٹ سرگرم عمل ہوں گے۔ وہ اس آگ کو ہوا دیں گے۔ چلی کی نیوی اور ایئر فورس میں بے چینی پیدا کرنے کے لئے ایندھن کی سپلائی میں رکاوٹ ڈالی جائے گی۔ اس صورت حال سے فوری طور پر نپٹنا صدر سلوادار کے امکان سے باہر ہو گا اور وہ ہراساں ہو کر اقتدار سے دست بردار ہو جائیں گے۔

آئی ٹی ٹی کارپوریشن کے نائب صدر ولیم آر میریم نے صدر نکسن کے اسسٹنٹ مسٹر پیٹرسن کو رپورٹ کے ساتھ جو مراسلہ بھیجا، اس میں واضح طور پر لکھا تھا کہ

"چلی کی صورت حال بڑی اہمیت اختیار کر چکی ہے ہماری حکومت کو ایسے موثر اور اہم اقدامات کرنے ہوں گے تاکہ الینڈی پیچیدہ حالات میں گرفتار ہو جائے۔ اس کا بچ نکلنا کسی طرح بھی ممکن نہ ہو۔ اس طرح وہ اپنے منصوبے میں ناکام ہو جائے گا۔"

۲۳ اکتوبر ۱۹۷۰ء کو مسٹر میریم نے صدر نکسن کے خصوصی مشیر ہنری کیسنگر کو ایک خط لکھا جس میں اس نے چلی کے واقعات پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا۔

"انٹرنیشنل ٹیلیفون اینڈ ٹیلی گراف کارپوریشن کی انتظامیہ یہاں رونما ہونے والے واقعات کو سخت تشویش ناک نظروں سے دیکھ رہی ہے۔ ہم اس بات سے پوری طرح مطمئن ہیں کہ موجودہ صورتحال سے فائدہ اٹھا کر لاطینی امریکہ میں امریکی پالیسی کو عملی جامہ پہنایا جا سکتا ہے۔"

مسٹر ہنری کیسنگر نے ۹ نومبر کو اس مراسلے کا جواب دیتے ہوئے لکھا:

"آپ کے خیالات اور سفارشات سے ہمیں بے حد مدد ملی۔ اس سلسلے میں ہم یقیناً چند اقدامات روبہ عمل لانے والے ہیں۔"

واشنگٹن میں انٹرنیشنل ٹیلی فون اینڈ ٹیلی گراف کارپوریشن کے سرگرمیوں کی رپورٹ پر غور کرنے کے لئے ایک کمیٹی بٹھائی گئی۔ اس کمیٹی کے ایک رکن نے ۱۲ جون کو رپورٹ کی ایک کاپی خفیہ طریقہ سے نیویارک ٹائمز تک پہنچا دی۔ اس نے اپنا نام ظاہر کرنے سے منع کر دیا۔ رپورٹ میں امریکی حکومت نے اس بات کی یقین دہانی کرائی تھی کہ اگر چلی کی مسلح افواج نے بغاوت کر دی تو اسے ہر طرح سے مالی اور مادی امداد فراہم کی جائے گی۔

اکتوبر ۱۹۷۰ء کے آخری ہفتے میں چلی حکومت کو سی آئی اے اور آئی ٹی ٹی کی خفیہ سرگرمیوں کا علم ہو گیا۔ چنانچہ مارکسی حکومت نے انٹرنیشنل ٹیلی فون اینڈ ٹیلی گراف کارپوریشن کو فوری طور پر قومی تحویل میں لے لیا۔ اس کے سرمایہ کو ضبط کر لیا۔ کارپوریشن کے سارے ریکارڈ کو اپنے قبضے میں لینے کے بعد اس کے تین اعلیٰ عہدیداروں کو گرفتار کر لیا۔ اس بات کا انکشاف کارپوریشن کے نائب صدر مسٹر میریم نے مسٹر پیٹرسن کے نام اپنے ایک خط میں کرتے ہوئے کہا کہ

"کارپوریشن کے خلاف اس کارروائی میں ممتاز کمیونسٹوں نے سرگرمی سے حصہ لیا۔ چلی حکومت کے اس اقدام سے بیرون ملک سرمایہ کاری کرنے والے امریکی سرمایہ داروں کا مستقبل تاریک ہو گیا۔ کارپوریشن کا اثاثہ ہی ضبط نہیں کیا گیا، بلکہ امریکی قوموں میں کام کرنے والے امریکی باشندوں کو نظر بند کر دیا گیا۔"

مسٹر میریم نے امریکی حکومت کو خبردار کرتے ہوئے کہا کہ۔

خفیہ رپورٹ وائٹ ہاؤس پہنچا دی گئی

"چلی کی مارکسی حکومت کا یہ اقدام امریکی سرمایہ داروں کے مفادات کے سخت خلاف ہے۔ اگر سختی سے نوٹس نہ لیا گیا تو اس بات کا خطرہ ہے کہ بیرونی ملکوں میں ہماری سرمایہ کاری کو زبردست نقصان کا سامنا کرنا پڑے لہٰذا امریکہ کی جانب سے چلی کے امدادی فنڈ کو فوراً منجمد کر دیا جائے۔ جو تقریباً ایک کروڑ ڈالر ماہانہ ہے اس کے علاوہ چلی کو انٹر امریکن ڈیولپمنٹ بنک کی جانب سے جو امداد دی جاتی ہے۔ اس میں امریکہ اپنا حصہ ادا کرنا بند کر دے۔ مسٹر میریم نے اپنے خط میں مزید لکھا کہ ہمیں یقین ہے کہ امریکی حکومت چلی کی مارکسی حکومت کو سبق سکھانے کے لئے ہر ممکن قدم اٹھائے گی اور سی آئی اے کے ذریعہ ایسے خفیہ منصوبوں پر عمل درآمد کیا جائے گا جس سے چلی کے طول و عرض میں فتنہ و فساد کے دروازے کھل جائیں۔ اور تباہی مارکسی حکومت کا مقدر بن جائے۔

اس خفیہ رپورٹ میں آگے چل کر لکھا گیا تھا کہ آئندہ ساٹھ دنوں کے دوران سوشلسٹ حکومت کو مالی بحران کا سامنا رہے گا۔ اس پر ضرب لگانے کے لئے یہ موزوں وقت ہو گا۔ اگر حکومت اس مالی بحران سے نکل گئی تو اسے اپنی پالیسیوں کو عملی جامہ پہنانے کا موقع مل جائے گا۔ جس سے لاطینی امریکہ کے ساتھ امریکی حکومت کے تعلقات پر تباہ کن اثر پڑنے کا خطرہ ہے۔

چلی کی سوشلسٹ حکومت کو اس بات کا پتہ چل گیا کہ بیرونی کمپنیوں کے سرمایہ دار مقامی سرمایہ داروں سے ساز باز کر کے حکومت کا تختہ الٹنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ حکومت نے فوری ردعمل کا اظہار کیا اور انٹرنیشنل ٹیلی فون اینڈ ٹیلی گراف کارپوریشن اور دوسرے معدنی وسائل کو اپنے قبضے میں لے لیا۔ سوشلسٹ حکومت کے اس اقدام سے سرمایہ دار چراغ پا ہو گئے اور انہوں نے مل کر حکومت کے خلاف کارروائی شروع کر دی۔ کسی خفیہ اور سنسان علاقے میں سرمایہ داروں کا اجتماع ہوتا، جہاں سی آئی اے کے ایجنٹ عوام کو اکسانے کیلئے نئے نئے گر بتاتے۔ رپورٹیں تیار کی جاتیں اور انہیں پڑھ کر سنایا جاتا۔ پھر اس پر بحث و مباحثہ ہوتا اور اس کے بعد چلی کی بعض عوام دشمن سیاسی پارٹیوں کے ذریعہ عوام کو ہنگامہ توڑ پھوڑ اور تشدد پر اکسایا جاتا۔

سرمایہ داروں نے اپنی سازش کو یہیں ختم نہیں کیا بلکہ چلی کی مسلح افواج میں بے چینی اور بے اطمینانی پھیلانے کے لئے کئی خطرناک کارروائیاں بھی کیں۔ آئی ٹی ٹی کے نائب صدر مسٹر میریم نے ایک دوسرے مراسلے میں واشنگٹن کو بتایا کہ

"ہم اپنے منصوبے کے مطابق چل رہے ہیں۔ زیادہ کامیابی حاصل نہیں ہو سکی، پھر بھی جو کامیابیاں

● ـــــ سنسان مقامات پر سی آئی اے کے ایجنٹوں کے خفیہ اجتماعات

● ـــــ چلی کو تباہ کرنے کے لئے اقتصادی امداد بند کر دی گئی

حاصل ہوئی ہیں انہیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا
مسلح افواج کے بعض افسروں نے یقین دلایا ہے
کہ "اقتصادی بے چینی میں اضافہ سے ہماری مداخلت
کی راہ ہموار ہو جائے گی۔ ہم بہت غور سے حالات
کا جائزہ لے رہے ہیں۔ جوں ہی ایسا مرحلہ آیا،
ہم آگے بڑھیں گے اور سوشلسٹ حکومت کا
خاتمہ کر دیں گے۔"

مسٹر مریم نے اپنے مراسلے میں انکشاف کیا کہ چلی میں بھی بے چینی کے آثار نمودار ہونے لگے ہیں۔ یہاں کے بعض بڑے بڑے اخبارات ہمارے نمک خوار ہیں۔ اس میڈیا کے ذریعہ ہم عوام کے ذہنوں میں حکومت کے خلاف نفرت پیدا کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ سول سروس کے اعلیٰ افسران ہمارے ہمنوا ہیں۔ وہ دن رات ہمارے لئے کام کر رہے ہیں۔ حکومت کا تختہ الٹنے کے لئے ہم تمام ذرائع کو استعمال میں لا رہے ہیں۔ اس بات کی پوری پوری کوشش کی جا رہی ہے کہ سوشلسٹ حکومت اپنے پروگرام پر کامیابی سے عمل درآمد نہ کر سکے۔"

چلی کی حکومت کے خلاف انٹرنیشنل ٹیلی فون اینڈ ٹیلی گراف کارپوریشن کی سازش طشت ازبام ہو گئی۔ سوشلسٹ حکومت نے فوری طور پر چند ایک اقدامات کر کے اس کے اثرات کو ختم کرنے کی کوشش کی، مگر مقامی سرمایہ داروں نے غیر ملکی سرمایہ داروں سے مل کر اپنی سازش جاری رکھی۔ سرمایہ دار اپنے ملک کا کبھی بہی خواہ نہیں ہوتا۔ چلی کے مقامی سرمایہ دار بھی ملک دشمن ثابت ہوئے لیکن حکومت نے ان سے خائف ہونے کے بجائے اپنے پروگرام کو جاری رکھا۔ اور ملک کو سوشلسٹ پیٹرن پر چلانے کے لئے کئی اہم منصوبوں پر بخوبی سے کام کیا۔ ان دنوں کم و بیش ہمارے ملک میں بھی یہی صورتِ حال ہے۔ پیپلز پارٹی نے انتخابات سے قبل سوشلسٹ پروگرام پیش کیا تھا۔ لیکن اقتدار میں آنے کے بعد وہ سوشلسٹ پروگرام سے منحرف ہو گئی اور اس کی جگہ عوام کو چند "بنیادی اصلاحات" دیئے گئے۔ اس ملک کے سرمایہ دار اور عوام دشمن سیاسی جماعتیں ان معمولی اصلاحات کے لئے بھی تیار نہیں ہیں۔ وہ اقتصادی ڈھانچہ کو جوں کا توں برقرار رکھنا چاہتی ہیں۔ سرمایہ داروں کے اشارے پر جماعت اسلامی، نیپ اور دوسری کٹر رجعت پسند پارٹیاں پورے ملک میں فتنہ فساد کی آگ بھڑکا کر محنت کشوں اور کسانوں کی طبقاتی جدوجہد کے خلاف سازشیں کر رہی ہیں۔ اور موجودہ حکمران ٹولے کو اقتدار سے ہٹا کر مسلح افواج کے ذریعہ اپنی من پسند حکومت مسلط کرنا چاہتی ہیں۔ سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کی اس جنگ میں غریب عوام پس رہے ہیں۔ ان کے خلاف سازش کی جا رہی ہے، جو آئندہ کسی وقت بھی ایک بڑی تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتی ہے۔

الفتح

غزل

حرف آئے یا نہ آئے غزل کے مزاج پر
بھرپور طنز کرنے لگا ہوں سماج پر

مُہریں لگا کے زر کی لبِ احتجاج پر
دھنوان ہنس رہے ہیں غریبوں کی لاج پر

ہے جذب دانے دانے میں دہقاں کا خون مگر
لگتی ہیں تیرے نام کی مہریں اناج پر

ہیریں ہزار بیٹھ کے ڈولی کی قبر میں
قربان ہو گئیں اسی جھوٹے رواج پر

سینوں کی پھلجڑی کا علم سا ہوا بلند
کرنوں کی یورشیں ہیں اندھیروں کے راج پر

جس کے لئے ہمیشہ سروں کے بنے مینار
انسان کے قدم ہیں اسی تخت و تاج پر

شیشے کے گھر میں بیٹھ کے پتھر ضرور پھینک
ہم بھی تو کوئی ضرب لگائیں زجاج پر

اتنا شکستِ ظلمتِ شب پر ہے اعتبار
جتنا ہمیں یقین ہے اجالے کے راج پر

یہ روشنی کی لہر تو پھیلے گی شہر شہر
پردے گرا دو لاکھ ابھرتے سراج پر

اب کل کی دھند سے نکل آئی ہے زندگی
نظریں جمی ہوئی ہیں زمانے کی آج پر

لفظوں کے پھول میرے لہو سے مہک گئے
اور میں چمک اٹھا حزیںؔ اس امتزاج پر

حزیںؔ لدھیانوی

الفتح
انکشاف

صحافیوں کے خلاف جماعت اسلامی کی سازش



لوہا گرم ہے — ضرب لگاؤ

فرقۂ مودودیہ کی خفیہ ہدایت

جماعتیوں نے بڑے منظم طریقے سے صحافیوں کی ایک روزہ پُرامن ہڑتال کو اپنے سیاسی اغراض کے لئے استعمال کیا۔ توڑ پھوڑ، تشدد اور ہنگامہ آرائی کے ذریعہ لیاقت آباد اور چورنگی کے غریب عوام کو بدنام کیا۔ انہیں کرفیو کی اذیت میں مبتلا کیا اور انسانی جانیں ضائع کرائیں ———

لسانی فسادات کی آگ بھی جماعت اسلامی اور نیپ عثمانی گروپ نے بھڑکائی تھی۔ پورے شہر میں توڑ پھوڑ، آتش زنی اور قانون شکنی کے واقعات میں جماعت اسلامی، یوتھ فورس اور اسلامی جمعیت طلباء کے کارکن ملوث رہے۔ یہ محض الزام نہیں بلکہ عینی شاہدوں کا بیان ہے کہ لسانی فسادات اور عامل صحافیوں کی ہڑتال کے دوران جہاں جہاں دکانوں کو آگ لگائی گئی۔ سڑکوں پر ٹائر جلائے گئے۔ رکاوٹیں کھڑی کی گئیں، بسوں کو نذرِ آتش کیا گیا۔ شراب کی دکانوں کو تباہ کیا گیا، پولیس اور فوج پر فائرنگ کی گئی۔ ان جگہوں میں علاقے کے جانے پہچانے جماعتی کارکن موجود پائے گئے۔ اگر ان ہنگاموں کی باقاعدہ عدالتی تحقیقات کرائی جائے اور تحقیقاتی کمیٹی متاثرہ علاقوں کے عوام سے حق بات کہلوانے میں کامیاب ہو جائے تو عوام کے خلاف جماعتِ اسلامی کی اس مکروہ سازش کا پردہ چاک ہو جائے گا۔ جماعتِ اسلامی اور نیپ نے یہ سب کچھ کراچی کے چند سرمایہ داروں کے اشارے پر کیا جس کا مقصد ایک طرف تو پیپلز پارٹی کی جاگیردارانہ قیادت کا خاتمہ اور دوسری طرف عوام کے ایک طبقے کو دوسرے طبقے سے لڑا کر محنت کشوں کی طبقاتی جدوجہد کا رُخ پھیرنا ہے۔

۷، جولائی کو لسانی بل کے خلاف بظاہر پُرامن ہڑتال کا اعلان کیا گیا لیکن پس پردہ جماعتِ اسلامی اور نیپ عثمانی گروپ کے تنخواہ دار کارکن طے شدہ منصوبے کے مطابق بڑی خاموشی اور مہارت سے اس ہڑتال کو ہنگامہ آرائی، تشدد اور توڑ پھوڑ میں تبدیل کرنے کے لئے کام کرتے رہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دس روز تک وادیٔ سندھ لسانی فسادات کی آگ میں جھلستا رہا۔ ایک طرف عثمانی پیپلز پارٹی کی حکومت سے استعفیٰ کا مطالبہ کرتے رہے، تو

حکمران پارٹی کے ایجنٹ تصادم چاہتے ہیں

پانچ اراکین قومی و صوبائی اسمبلی کا بیان

کراچی۔ ۲۵ جولائی (اسٹاف رپورٹر) قومی اسمبلی کے رکن علامہ عبدالمصطفےٰ الازہری۔ سندھ اسمبلی میں حزب اختلاف کے لیڈر شاہ فرید الحق صوبائی اسمبلی کے اراکین حاجی شاہد علی اور مسٹر عثمان کنیڈی اور مولانا محمد حسن حقانی نے ایک مشترکہ بیان میں لیاقت آباد کے شہریوں پر فائرنگ کی مذمت کی ہے۔ انہوں نے خیال ظاہر کیا ہے کہ اس فائرنگ کیلئے حکمران پارٹی کے ایجنٹوں نے اشتعال دلایا تھا۔ تاکہ شہری آبادی اور پاکستان کی مسلح افواج کے درمیان تصادم ہو جائے۔ حقیقت ہے کہ مسلح افواج کی آمد کے بعد حالات معمول پر آ گئے تھے۔ جس سے عوام اور مسلح افواج کے درمیان برادرانہ تعلقات کا اندازہ ہوتا ہے۔

ان لیڈروں نے صدر کے سامنے واضح طور پر کہہ دیا تھا کہ امن و امان اس وقت بحال ہو سکتا ہے جب پریس پر پابندی کا حکم واپس لیا جائے۔ اور اجڑے ہوئے سندھ کے متاثرین کو دوبارہ آباد کیا جائے کیونکہ عوام آزادی صحافت پر حملہ کو خاموشی سے نہیں دیکھ سکتے۔ جہاں تک ہنگامہ کرنے اور آگ لگانے کے واقعات کا تعلق ہے، یہ شرپسندوں نے کئے ہیں جو عوام کی تحریکوں میں شامل ہو جاتے ہیں۔ کراچی کے عوام تشدد کے حامی نہیں اور پُرامن طریقے سے اپنی تحریک چلا رہے ہیں۔

حزب اختلاف کے نمائندوں کی دھمکی کہ "امن بحال نہ ہوگا" ان کے پہلے سے تیار شدہ منصوبے کو بے نقاب کرتا ہے۔

دوسری طرف جماعت اسلامی اور جمعیت العلمائے پاکستان کے رہنما اپنے اشتعال انگیز بیانات سے آگ پر تیل چھڑکتے رہے ——— مسلسل دس روز کی ہنگامہ آرائی کے بعد یہ آگ قدرے ٹھنڈی ہوئی ——— اور کراچی کی شہری زندگی معمول پر آنے لگی۔ اسی دوران حکومت نے ایک مقامی انگریزی اخبار کا ڈیکلریشن منسوخ کر دیا۔ صحافیوں کی نمائندہ تنظیم انجمن صحافیان پاکستان اور انجمن صحافیان کراچی نے حکومت کے اس اقدام کے خلاف ۲۴ جولائی کو تمام اخبارات میں ایک دن کی پُرامن ہڑتال کا اعلان کیا ——— جماعت اسلامی اس موقع سے فائدہ اٹھانے کے لئے ایک بار پھر میدان میں نکل آئی۔ اس سے قبل جماعت اسلامی کی پاکٹ تنظیم نیشنل یونین آف جرنلسٹ نے ۲۱ جولائی کو عام ہڑتال کا جو اعلان کیا تھا وہ بُری طرح ناکام ہو گئی تھی۔ اخباری صنعت کے کارکنوں کی اس ایک روزہ پُرامن ہڑتال کو تشدد اور لاقانونیت کی راہ پر ڈالنے کے لئے جماعتِ اسلامی اور اس کی پاکٹ تنظیم نیشنل یونین کے جماعتی کارکنوں نے جو شر انگیزی کی اس کی مختصر سی تفصیل پیش خدمت ہے۔

۲۱ جولائی کو پیراڈائز سینما کے مقابل جماعت اسلامی کی پاکٹ تنظیم ——— "تنظیم اساتذہ" کے دفتر میں رات کے گیارہ بجے جماعتی کارکنوں کا ایک خفیہ اجتماع ہوا جس میں نیشنل یونین آف جرنلسٹ کے تین نمائندوں کے علاوہ یوتھ فورس، اسلامی جمعیت طلباء، تحریکِ استقلال اور جمعیت العلمائے پاکستان کا ایک نمائندہ بھی موجود تھا۔ نیشنل یونین آف جرنلسٹ کے نمائندے نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ

"لوہا گرم ہے ایک کراری ضرب لگانے کی ضرورت ہے۔ لیاقت آباد اور گولی مار کے لوگوں کو آسانی

الفلاح اور تنظیم اساتذہ کے دفتر میں جماعتی کارکنوں کا اہم اجتماع.

سے اس موقع پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ وہ موجودہ حکومت کے سخت خلاف ہیں۔ ان کے سینے کی آگ ابھی ٹھنڈی نہیں ہوئی ہے۔ ہمیں صحافیوں کی اس ہڑتال سے پورا فائدہ اٹھانا چاہیئے۔"

نیشنل یونین آف جرنلسٹ کے نمائندے کے بعد جماعت اسلامی لیاقت آباد کے امیر کے علاوہ اسلامی جمعیت طلباء کے دو نمائندوں نے تقریریں کیں۔ اور نیشنل یونین کے نمائندے کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے مشورہ دیا کہ جماعت اسلامی، اسلامی جمعیت طلباء اور یوتھ فورس کے کارکن ۲۳ جولائی کی ہڑتال سے سیاسی فائدہ اٹھانے کے لئے ناظم آباد، گولی مار اور لیاقت آباد میں پھیل جائیں۔ اس روز دکان داروں سے عام ہڑتال کی اپیل کی جائے اگر کوئی دکان دار اپنی دکان بند کرنے سے انکار کرے تو زبردستی اُس کی دکان بند کرائی جائے۔ جگہ جگہ رکاوٹیں کھڑی کر دی جائیں اور بسوں پر علاقے کے بچوں کے ذریعہ پتھراؤ کرا کے بسوں کا پہیہ جام کر دیا جائے ــــ" اس فیصلے کے علاوہ یہ بھی طے کیا گیا کہ جماعت اور اس کی تمام تنظیموں کے کارکن اپنے بازوؤں پر "این یو جے" کی سیاہ پٹیاں باندھ کر علی الصبح لیاقت آباد، ناظم آباد اور چورنگی گولیمار پہنچ جائیں اور اپنا کام شروع کر دیں۔ اس فیصلے کے بعد جماعت اسلامی کا یہ خفیہ اجتماع ختم ہو گیا۔

۲۳ جولائی کو الفلاح صدر میں جماعتی کارکنوں کی چھوٹی سی نشست ہوئی۔ جس میں این یو جے (نیشنل یونین آف جرنلسٹ) کے محمود احمد مدنی، آفتاب سید اور پروفیسر غفور احمد موجود تھے۔ اس نشست میں جمعیت کے چند ذمہ دار کارکنوں کو رات کے فیصلے سے آگاہ کر کے انہیں لیاقت آباد اور گولیمار روانہ کر دیا گیا۔ انہیں یہ بھی بتایا گیا کہ ایک جیپ کے ذریعہ ان کے لئے ٹائر فراہم کئے جائیں گے۔ ان کا کام یہ ہو گا کہ وہ یوتھ فورس کے کارکنوں کے ذریعہ ٹائر جلوا کر سڑکوں کے درمیان چھوڑ دیں تا کہ بسوں کی آمد و رفت رک جائے۔

۲۳ جولائی کی رات کو کورنگی نمبر ۲½ کے ایک مکان کے عقب میں جماعت اسلامی کے کارکنوں کا اجتماع ہوا جس میں تقریباً پانچ سو افراد شریک ہوئے۔ انہیں ہدایت دی گئی کہ لیاقت آباد اور گولیمار کے حالات جوں ہی بے قابو ہوں وہ اُدھر بھی ہنگامہ شروع کر دیں اس جگہ این یو جے کی سیاہ پٹیاں اور "لفٹ ہینڈ اون دی سن" کے کتبے بھی تقسیم کئے گئے۔ اس کے علاوہ جیپ کے ذریعہ جس پر جماعت اسلامی کے چند کارکن سوار تھے بارہ ٹائر لیاقت آباد روانہ کئے گئے۔

۲۱ جولائی کے خفیہ اجتماع کے فیصلے کے مطابق جماعت اسلامی یوتھ فورس اور اسلامی جمعیت طلباء کے کارکن لیاقت آباد۔ گولی مار ناظم آباد اور برنس روڈ کے علاقے میں پھیل چکے تھے۔ ۲۳ جولائی کی صبح کو این یو جے کے جماعتی کارکن اپنے بازوؤں پر سیاہ پٹیاں باندھے عام لوگوں کو ہڑتال میں شریک ہونے کی ترغیب دے رہے تھے۔ اور حکومت کے خلاف اشتعال انگیز باتیں کر رہے تھے۔ ساڑھے نو بجے تک جماعتیوں کی بھرپور جدوجہد کے باوجود جب لیاقت آباد کے عام دکاندار ہڑتال میں شریک ہونے کے لئے آمادہ نہ ہوئے اور بسوں کی آمد و رفت جاری رہی تو لیاقت آباد کے ایک مکان میں جماعت اسلامی اور یونین آف جرنلسٹ کے نمائندوں کا ہنگامی اجتماع ہوا اور صورت حال پر غور کرنے کے بعد یوتھ فورس کے غنڈوں کے ذریعہ تشدد کا طریقہ اختیار کرنے کا فوری فیصلہ کیا گیا۔

اس فیصلے کے پندرہ منٹ بعد لیاقت آباد کی صورتِ حال یکسر تبدیل ہو گئی۔ کریم آباد، عزیز آباد، دستگیر کالونی اور نیو کراچی سے آنے والی بسوں پر زبردست پتھراؤ شروع ہو گیا۔ دیکھتے دیکھتے سڑکوں

این یو جے کے
جماعتی کارکن
ہنگامہ اور
توڑ پھوڑ میں
پیش پیش تھے

پر ٹائروں سے آگ کے شعلے اور کثیف دھواں بلند ہونے لگا۔ دکانیں دھڑا دھڑ بند ہونے لگیں۔ اس کے ساتھ ہی لیاقت آباد کے بعض چوراہوں پر جماعت اسلامی اور یوتھ فورس کے غنڈہ عناصر اشتعال انگیز نعرے لگاتے ہوئے جمع ہو گئے۔

نئی کراچی اور دستگیر کالونی کی بسیں لیاقت آباد کی بجائے گولیمار سے گزرنے لگیں۔ مگر چند ہی منٹوں میں گولیما[illegible]ر ناظم آباد کی فضا بھی مخدوش کر دی گئی۔ جماعت اسلامی کے کارکنوں نے ان علاقوں میں بھی لیاقت آباد کے تیر بہدف نسخے پر عمل کیا۔ چند لڑکوں کو اکسا کر دکانوں کے شیشوں اور بسوں پر سنگ باری کرا دی گئی۔ جس سے ڈر کر دکانداروں نے فوراً اپنی دکانیں بند کر دیں۔ جماعتی کارکنوں نے اس علاقے میں بھی جگہ جگہ ٹائر جلا کر راستہ بند کر دیا۔ سڑکوں پر کولتار کے خالی پیپوں اور بڑے بڑے پتھروں کے ذریعہ رکاوٹیں کھڑی کر دی گئیں۔

اسی علاقہ کا ایک دلچسپ واقعہ سنئے۔ ایک صاحب فٹ پاتھ پر کھڑے ہوئے یہ سارا تماشہ دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے بس پر پتھراؤ کرنے والے ایک لڑکے سے پوچھا۔

میاں یہ آج کیسی ہڑتال ہے۔؟

لڑکا ہکلانے لگا۔ چند لمحوں کے بعد اس نے کہا۔

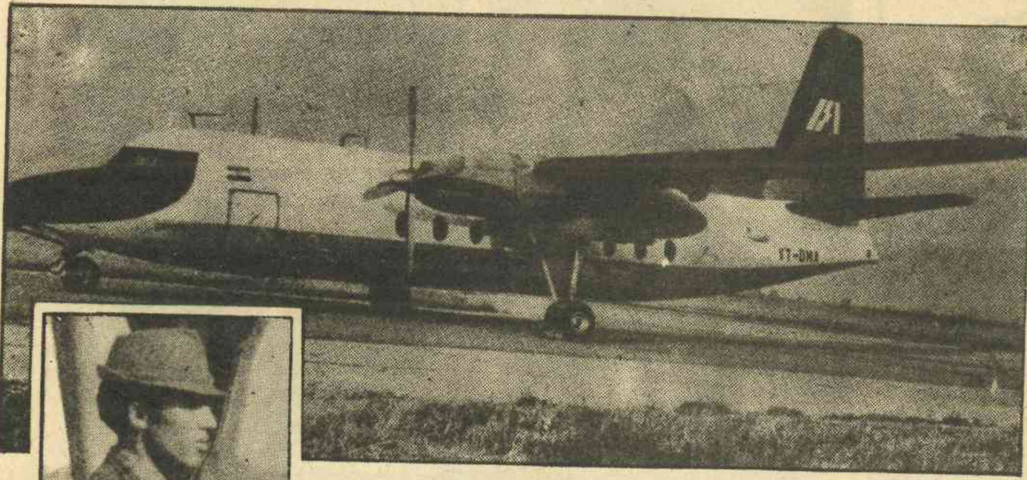
"مجھے نہیں معلوم ان سے پوچھئے۔" اس نے جس آدمی کی طرف اشارہ کیا، وہ جماعت اسلامی ناظم آباد کا ایک معروف کارکن تھا۔

جماعت اسلامی یہ سارا ہنگامہ کراچی کے چند صنعت کاروں اور سرمایہ داروں کے اشارے پر کر رہی ہے۔ جس کا واضح مقصد ملک میں ایک بار پھر فوجی آمریت کی راہ ہموار کرنا ہے۔ لیاقت آباد میں جماعتیوں نے باقاعدہ رینجرز پر حملہ بھی کیا اور گشتی دستے سے چھیڑ خانی بھی کی۔ اب طے شدہ پروگرام کے مطابق اس کی ذمہ داری بھاشانی نیپ کے ناتواں کندھوں پر ڈال کر اپنا دامن جھاڑنا چاہتی ہے۔ لیکن جو لوگ جماعت اسلامی کے خفیہ عزائم سے آگاہ ہیں وہ اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ لسانی فسادات سے لے کر اخبارات تک محدود صحافیوں کی پُرامن ہڑتال تک تشدد کے ہر واقعہ میں جماعت اسلامی کا ہاتھ ہے۔ ان واقعات سے جماعت اسلامی پوری طرح ننگی ہو چکی ہے۔ اس کا فسطائی پروگرام، بھائی سے بھائی کو لڑوانے کا منصوبہ عوام میں ظاہر ہو چکا ہے۔ اب بہانہ بازی سے کام لے کر وہ اپنے کالے کرتوتوں پر پردہ ڈال رہی ہے۔

جماعت اسلامی اور دوسری رجعت پسند سیاسی جماعتوں کی اس خفیہ سازش کا ایک اور ثبوت ۲۰ جولائی کے اخبارات سے ملتا ہے۔ جس میں قومی اسمبلی کے رکن علامہ مصطفےٰ ازہری، صوبائی اسمبلی کے رکن شاہ فریدالحق، مولانا حسن حقانی اور عثمان کینیڈی کا بیان شائع ہوا ہے۔ اس بیان میں مذکورہ بالا نمائندوں نے صدر پاکستان سے واضح طور پر کہہ دیا تھا کہ

"اُس وقت تک امن بحال نہیں ہو سکتا، جب تک سن پر سے پابندی کا حکم واپس نہیں لیا جاتا۔"

اس طرح یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ ۲۳ جولائی کے تشدد آمیز ہنگاموں میں جماعت اسلامی اور دوسری رجعت پسند پارٹیوں کا زبردست ہاتھ تھا۔



آزادیٔ کشمیر کے مجرم، عوام کی عدالت میں



حکومت نے کشمیریوں کے ہاتھوں میں بندوق کی بجائے ”چائے“ کی پیالیاں تھما دیں

پیر غلام مصطفےٰ حسین علوی

”کشمیر ہمارا بنیادی مسئلہ ہے۔ اس سے ہمارے جذبات خون اور عقیدے کا تعلق ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ مسئلہ اس وقت تک حل نہیں ہو سکتا جب تک خود کشمیری قوم اس کے لیے اُٹھ کھڑی نہ ہو۔ یقیناً ایک روز کشمیری بھارت کے ظلم و تشدد کے خلاف اٹھیں گے۔ اس وقت پاکستان یقیناً اسی طرح ان کی حمایت کرے گا جیسے بھارت نے بنگالیوں کی مشرقی پاکستان میں کی۔ لیکن اس کے لیے خود کشمیریوں میں جذبۂ حریت کا تیز ہونا ضروری ہے۔“



میر عبدالمنان سیکرٹری جنرل جموں و کشمیر محاذ رائے شماری

مندرجہ بالا جذبات جناب محمود شام کے ہیں جو انہوں نے شملہ سے واپسی پر اپنی رپورٹ میں ——— ”شملہ میں کیا ہوا؟“ کے عنوان میں ظاہر کیے ہیں۔ کشمیر کے متعلق شام صاحب کے جذبات یقیناً ایسے ہی ہوں گے مگر انہوں نے شاید اس امر پہ غور نہیں کیا کہ کشمیری عوام کی جنگِ آزادی کا سب سے المناک پہلو یہ ہے کہ جب بھی اس بدقسمت خطہ میں رہنے والے مظلوم عوام نے غلامی کا جوا اپنے سر سے اتار پھینکنے کے لیے کسی تحریک کا آغاز کیا۔ دوستی کا دعویٰ کرنے والوں نے کبھی ان کی دستگیری نہیں کی بلکہ ان سے پرلے درجے کی بے اعتنائی برتی اور صرف اپنی لیڈری چمکانے کے لیے کشمیر کے نام کو اچھال اچھال کر لوگوں کو بیوقوف بنانے کے ساتھ ساتھ اپنی کرسیوں کی حفاظت کرنے میں لگے رہے۔ پاکستان کی سابقہ نوکرشاہی نے اپنی غلط پالیسی اور غلط سوچ کی وجہ سے کشمیر کے مسئلہ کی جو درگت بنائی ہے وہ پاکستانی عوام کی نظروں سے اوجھل نہیں ہوگی۔ دنیا میں جن ممالک نے آزادی حاصل کی، ان میں بعض ایسے بھی ہیں جن کے پاس اپنی سرزمین کا ایک ٹکڑا بھی نہیں تھا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ہمارے پاس کشمیر کا ایک تہائی حصہ جس کا رقبہ ۳۴ ہزار مربع میل ہو اور پھر حصہ بھی ایسا ہو جو کشمیر کا خطۂ شمشیر زن کہلاتا ہو مگر اس کے باوجود وہاں کے عوام میں مُردنی اور بے حسی کی کیفیت پائی جائے۔ کیا کبھی کسی نے غور کیا کہ آزاد کشمیر کے مجاہد خیز خطہ مظفر آباد، پونچھ اور میرپور کے جیالے حریت پسند نوجوان، جن کے کندھوں پر بندوقیں اور ہاتھوں میں ہینڈ گرنیڈ یا بم ہونے چاہیئے تھے، ان کی جگہ چائے کی پیالیوں اور کھانے کی پلیٹوں نے لے لی۔ اور اس طرح انہیں ایک گھناؤنی سازش کے تحت گھروں سے بے گھر کرکے ”بیرے“ کے پیشہ میں الجھا کر کراچی اور پاکستان کے دوسرے بڑے بڑے شہروں کے بے شمار ہوٹلوں کی طرف دھکیل دیا گیا اور انہیں کشمیر کی آزادی کی جنگ کے لیے تیار کرنے کی بجائے ”پیٹ کی جنگ“ میں مبتلا کر دیا گیا۔ اگر غور کیا جائے تو آپ محسوس کریں گے کہ ایسا کرکے کشمیریوں پر بہت بڑا ظلم کیا گیا ہے بجائے اس کے کہ آزاد کشمیر کے علاقے کو، کشمیر کی آزادی کا ”بیس کیمپ“ بنایا جاتا اور اسے پاکستان سے بالکل الگ رکھ کر مقبوضہ کشمیر کی آزادی کے لیے ایک چھاؤنی میں تبدیل کر دیا جاتا۔ پاکستان کی سابقہ بددیانت نوکرشاہی نے اپنے جذبۂ حکمرانی کی تسکین کے لیے اپنی مرضی کی اور بے بس اور کٹھ پتلی حکومتیں مسلط کیں اور اس طرح وہاں کے جیالے مجاہدوں کو جنہوں نے چونتیس ہزار مربع میل کا ایک بہت بڑا علاقہ اپنے زورِ بازو سے حاصل کیا تھا۔ انہیں اصل مقصد سے ہٹا کر جنگِ زرگری میں الجھا دیا۔ کشمیریوں کو ناکارہ بنانے کے لیے وزارتِ امورِ کشمیر کی نوکرشاہی نے انہیں شہزادہ کوٹھی راولپنڈی کا طواف کرنے کی عادت ڈالی اور سالہا سال تک انہیں سیاسی رشوت


خواجہ عطاء اللہ چیئرمین دستور کمیٹی جموں وکشمیر محاذِ آزادی


مسٹر عبدالقیوم محاذ کے رابطہ افسر ہائی کمان


مسٹر جی ایم لون، محاذ کی ہائی کمان کے رکن

اِدھر گنگا اغوا ہُوا اُدھر عوام سردار قیوم سے چندے کا حساب مانگنے لگے

کے طور پر وظیفے دیتی رہی۔ ہماری کشمیری قوم کو جان بوجھ کر قومی بے حسی، مجرمانہ غفلت اور بے عملی کا شکار بنا دیا گیا۔ حالانکہ انہوں نے ۱۹۴۷ء میں بے سروسامانی کی حالت میں جہادِ آزادی کا آغاز کر کے، دنیا میں بسنے والی غلام اقوام کی رہنمائی کی تھی اور جب نوکر شاہی کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے وہ اپنے اصل مقصد سے ہٹ گئے تو پھر خود ہی ان کے متعلق پراپیگنڈا کیا گیا کہ کشمیری ایک بزدل قوم ہے جو اپنے وطن کی آزادی کے لیے کچھ کرنا نہیں چاہتی۔

نوکر شاہی نے اپنی حماقتوں اور بددیانتی کی وجہ سے اس جنگ کو زمین کے ایک ٹکڑے کا مسئلہ بنا دیا اور بظاہر اس کے لیے جنگیں بھی لڑیں جن میں انہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور جو کشمیری قوم کو بدنامِ زمانہ "معاہدۂ تاشقند" کے سوا اور کچھ نہ دے سکی۔

معاہدۂ تاشقند سے برہم ہو کر کچھ سر پھرے آزادی کے متوالے کشمیری جیالوں کی رگِ حمیت بھڑکی اور انہوں نے ۱۹۴۷ء کی طرز پر اپنی جنگِ آزادی مقبوضہ کشمیر سے خود شروع کرنے کے لیے قومی محاذِ آزادی کے نام سے اپنی ایک تنظیم قائم کی اور اپنے محدود وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے ۱۹۶۶ء میں مقبوضہ کشمیر میں عملی جدوجہد کا آغاز کر دیا اور کئی جگہوں پر کئی "سی CELLS" بھی بنا لیے مگر چند ماہ بعد راز فاش ہو جانے کی وجہ سے مقبوضہ کشمیر کی پولیس اور فوج حرکت میں آ گئی۔ چنانچہ کئی حریت پسند کشمیری پکڑے گئے۔ پاکستانی حکومت کو جب اس واقعہ کا علم ہُوا تو بھارت کی طرح پاکستان کی حکومت نے بھی پاکستان میں مقیم ساتھیوں کی پوچھ گچھ کے لیے انٹروگیشن سنٹر کھول دیئے اور راولپنڈی، کراچی اور مظفر آباد میں کئی حریت پسندوں کو پوچھ گچھ کیمپوں میں طلب کیا جاتا رہا بجائے اس کے کہ پاکستان کی سابقہ حکومت حریت پسندوں کی حوصلہ افزائی کرتی۔ نوکر شاہی نے اندر ہی اندر انہیں زک پہنچانے کے پروگرام وضع کرنے شروع کر دیئے۔ قومی محاذِ آزادی نے مقبوضہ کشمیر میں جو بھی کارہائے نمایاں انجام دیئے اس کی کارروائی کو پاکستان کے اخبارات میں شائع ہونے پر پابندی لگا دی جاتی تاکہ لوگوں کو محاذِ آزادی کی سرگرمیوں کا کچھ پتہ نہ چل سکے تاکہ آگے چل کر یہ جماعت کہیں عوام میں اپنی جڑیں مضبوط نہ کر سکے۔

مقبوضہ کشمیر کی اسمبلی میں قومی محاذِ آزادی کی آئے دن کی سرگرمیوں کی وجہ سے بڑا شور اٹھا جس کی تفصیل سری نگر کے علاوہ پاکستانی اخبارات میں بھی آتی رہی۔ مقبوضہ کشمیر کے گورنر بھگوان سہائے نے بھی کہا کہ "حریت پسندوں کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں سے ہم پوری طرح واقف ہیں اور ان سے نمٹنے کے لیے مناسب کارروائی کی جا رہی ہے"

دہلی کے اخبار "سویرا" نے لکھا کہ "مقبوضہ کشمیر میں تمام افسران حریت پسندوں کے خوف سے قلعہ نما مکانوں میں رہتے ہیں"۔ شیرِ کشمیر شیخ محمد عبداللہ صاحب نے ۱۹۶۸ء میں فرمایا کہ —— "کشمیر کے مختلف علاقوں کے دورے کے بعد یہ چیز میرے علم میں آئی ہے کہ کشمیری نوجوان اب پُرامن طریقوں کے پابند نہیں اور اب وہ تشدد کا سہارا لینے کی باتیں کرتے ہیں۔ بھارتی حکمرانوں نے اگر اب بھی ہوش کے ناخن نہ لیے تو کشمیر بھارتی استعمار کے تابوت میں آخری کیل ثابت ہوگا"۔ شیخ صاحب کا یہ بیان کشمیر، بھارت اور پاکستان کے اخبارات نے جلی سرخیوں کے ساتھ شائع کیا۔

دسمبر ۱۹۶۸ء میں قومی محاذِ آزادی کے ایک رکن مسٹر مقبول احمد بٹ معہ اپنے دو ساتھیوں کے جنہیں مقبوضہ کشمیر کی حکومت نے پھانسی کی سزا سنا دی تھی کمال ہوشیاری اور جرأت کا ثبوت دیتے ہوئے سری نگر جیل سے فرار ہو کر آزاد کشمیر پہنچ گئے۔ جہاں اڑھائی ماہ تک ان کا انٹروگیشن ہوا۔ اور پھر انہیں رہا کر دیا گیا۔ مقبول بٹ کے آ جانے کے بعد تحریک میں ایک نئی زندگی آ گئی اور کام زیادہ سرعت سے ہونے لگا جس سے برہم ہو کر پاکستان کی مرکزی حکومت نے ۱۹۷۰ء کے وسط میں قومی محاذِ آزادی جموں وکشمیر کے چند لیڈروں کو پولیٹیکل برانچ کراچی کی وساطت سے وارننگ دے دی کہ اگر مقبوضہ کشمیر میں ان کارروائیوں کو نہ روکا گیا تو سب آدمیوں کو گرفتار کر لیا جائے گا۔ وارننگ دینے کے آٹھ ماہ کے بعد جنوری ۱۹۷۱ء میں "ہائی جیکنگ" کا واقعہ پیش آیا جبکہ قومی محاذِ آزادی کے دو حریت پسند نوجوان محمد ہاشم قریشی اور محمد اشرف قریشی کمال جرأت کا ثبوت دیتے ہوئے بھارتی جہاز گنگا کو سری نگر سے اغوا کر کے لاہور لے آئے۔ دنیا بھر کے اخبارات نے اس خبر کو شہ سرخیوں سے شائع کیا۔ نوکر شاہی اس خبر کو پاکستانی اخبارات میں شائع ہونے سے نہ روک سکی اور اس طرح قومی محاذِ آزادی کا نام پہلی دفعہ دنیا بھر میں روشناس ہُوا۔ اس خبر سے مسئلہ کشمیر کے مردہ جسم میں پھر سے جان پڑ گئی۔ اگر یحییٰ خان کی غاصب حکومت نیک نیت ہوتی اور اسے ذرہ برابر بھی کشمیر کے مسئلہ سے دلچسپی ہوتی تو اس واقعہ کو بنیاد بنا کر اقوامِ عالم کو اپنا ہمنوا بنا سکتی تھی۔ مگر چونکہ سابقہ حکومت کا یہ ٹولہ قومی محاذِ آزادی کے محبِ وطن لیڈروں کا دشمن



بن چکا تھا اس لیے حکومت انہیں پوری طرح کچلنے کے لیے منصوبے بنانے لگی۔ اس سازش کو پروان چڑھانے میں مولانا سردار قیوم نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ کیونکہ "ہائی جیکنگ" کے واقعہ سے ان کے خالی خولی "المجاہد فراڈ" کو بڑا دھچکا لگا تھا اور لوگ ان سے چندہ کا حساب مانگنے لگے تھے۔

قومی محاذِ آزادی "گنگا" کو دھماکہ سے اڑانے کے حق میں بالکل نہیں تھی۔ اس سلسلے میں محاذ رائے شماری کے ایک سرکردہ لیڈر غلام محمد لون نے چیف سیکرٹری پنجاب جناب آغا افضل کو مقبول احمد بٹ، میجر عبدالقیوم، ڈاکٹر فاروق حیدر اور قومی محاذِ آزادی کے دوسرے ارکان کے سامنے کہا تھا کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ جہاز آپ کے حوالے کر دیا جائے تو بٹ صاحب کو کہہ دیں کہ وہ پریس کانفرنس میں اعلان کر دیں کہ حکومت کے کہنے پر ہم نے جہاز ان کے حوالے کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ مگر چیف سیکرٹری نے جواب دیا کہ ـــــ "ہمیں جہاز کے مسافروں سے دلچسپی تھی وہ ہم نے نکلوا لیے ہیں۔ باقی رہا جہاز کا معاملہ تو یہ محاذِ آزادی کی ملکیت ہے، اسے رکھیں یا ضائع کریں ہمیں اس سے کوئی واسطہ نہیں"۔ حکومت چاہتی تو جہاز پر کسی بھی وقت قبضہ کر سکتی تھی۔ مگر حکمران ٹولے کی نیت چونکہ خراب تھی اس لیے انہوں نے جہاز کو اپنے کنٹرول میں لینے کے بجائے اس کے جلائے جانے کے حالات خود پیدا کیے۔ اور اس طرح ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت حریت پسند لڑکوں کو ورغلا کر جہاز کو آگ لگوا دی۔ یوں ایک طرف انہیں یہ پراپیگنڈا کرنے کا موقع ملا کہ بھارت نے مشرقی پاکستان کی پروازیں بند کرنے کے لیے شاطرانہ چال چلی ہے اور "گنگا" کو خود اغوا کرایا ہے اور دوسری طرف محاذِ آزادی کے قابلِ فخر کارنامہ کی وجہ سے عوام میں جو نیا جوش اور ولولہ پیدا ہوا تھا اور کشمیریوں کے متعلق ان کے دلوں میں قدر و منزلت کے جو جذبات پیدا ہوئے تھے انہیں کچلنے کے لیے راہ ہموار کر لی گئی پھر افواہوں کا سلسلہ شروع کیا گیا کہ یہ لوگ "بھارتی ایجنٹ" ہیں اور جب ان کا چھوڑا ہوا "تیر" نشانے پر بیٹھا اور پاکستان بھر کے عوام میں جب یہ زہر پوری طرح سرایت کر گیا تو پھر نورالعارفین کمیشن کا ایک ڈھونگ رچا کر اپنے مطلب کی رپورٹ شائع کرائی گئی اور انکوائری کا بہانہ کر کے مغربی پاکستان اور آزاد کشمیر کے طول و عرض میں جہاں جہاں بھی قومی محاذِ آزادی اور محاذ رائے شماری کے سرکردہ لوگ موجود تھے ان کے خلاف دار و گیر کا سلسلہ شروع کر دیا گیا اور لوگوں کو دہشت

"ہمیں جہاز سے نہیں، مسافروں سے دلچسپی ہے" چیف سیکرٹری پنجاب

زدہ کرنے کے لیے پولیس کی بھاری جمعیت نے چھاپے مارنے کے علاوہ خانہ تلاشیاں شروع کر دیں۔ ایک ہی وقت میں کراچی سے لے کر پشاور اور میرپور (آزاد کشمیر) سے لے کر گلگت تک پولیس کا پورا عملہ حرکت میں آگیا اور ہر جگہ خوف و ہراس کی فضا پیدا کر دی گئی۔ اس کارروائی کے بعد کئی ماہ تک دو سو سے زیادہ حریت پسندوں کو (سی۔ آئی۔ اے) ہیڈ آفس کراچی، شاہی قلعہ لاہور، چونا منڈی لاہور، دھلائی کیمپ اور بلیک فورٹ گوجرہ مظفر آباد کے عقوبت خانوں میں رکھ کر ان پر وہ مظالم ڈھائے گئے جن کے سامنے نازیوں کے قائم کردہ عقوبت خانے بھی ہیچ ہیں۔ کوڑے، چھتر، بجلی کے جھٹکے، الٹا لٹکانے، ننگے جسم کے نازک حصوں پر مرچیں ڈالنے، ہفتوں بیدار رکھ کر شکنجوں اور آہنی دروازوں کے ساتھ ہتھکڑیاں لگا کر کھڑے رکھنے، ننگے جسم کے نازک حصوں پر گرم پگھلی ہوئی موم کے قطرے ٹپکانے، مادر زاد ننگا کر کے گلے میں نجاست کے ڈھول ڈال کر تپتی ہوئی زمین پر ٹہلانے اور مادر زاد ننگا کر کے اور گلے میں جوتوں کے ہار ڈال کر قلعے کے اندر گھمانے کے دہشت انگیز عمل شامل ہیں۔ حریت پسندوں سے اپنی مرضی کا بیان لینے کی خاطر، ان کی عفت مآب بیٹیوں، بہنوں اور بیویوں کو شاہی قلعہ لاہور کے عقوبت خانے میں پکڑ کر لانے اور ان کی بے عزتی کرنے کی دھمکیاں دے کر انہیں بلیک میل کیا گیا۔ عرصہ چھ ماہ سے محمد ہاشم قریشی، محمد اشرف قریشی، مقبول احمد بٹ، میر عبدالقیوم، میر عبدالمنان اور غلام محمد لون پر اسپیشل کورٹ میں مقدمہ چلایا جا رہا ہے۔ ڈاکٹر فاروق حیدر کو تشدد کا نشانہ بنا کر "سلطانی گواہ" بنایا گیا تھا مگر بعد میں وہ بھی اپنے بیان سے منحرف ہو گئے۔ اور انہوں نے عدالتِ عالیہ کو درخواست دی کہ میرا بیان انسانیت سوز ظلم و تشدد کر کے لیا گیا ہے لہٰذا مجھے عدالت میں بلایا جائے۔ تاکہ میں پولیس کے ظلم و بربریت کی داستان عدالتِ عالیہ کے سامنے لا سکوں۔

وطن عزیز کی آزادی کے لیے تحریک شروع کرنے والے قومی محاذِ آزادی کے ان مخلص اور بے لوث حریت پسندوں کے حشر کو دیکھ کر کیا کوئی کشمیری وطن کی آزادی

اخبارات نے شیخ عبداللہ کا بیان توڑ مروڑ کر پیش کیا

کے لیے تحریک چلانا تو ایک طرف، اس کے بارے میں آئندہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا! کس کو مصیبت پڑی کہ وہ کشمیر کی آزادی کے جذبے میں سرشار ہو کر سامنے آئے۔ اور "جاسوسی کا تمغہ" اپنے سینے پر آویزاں کرائے۔ وہ کس کس کو بتاتا پھرے گا کہ میں محب وطن ہوں، میں تو کشمیر کا شیدائی ہوں، میں جاسوس نہیں حریت پسند ہوں، ایجنٹ نہیں جنگِ آزادی کا سپاہی ہوں، کرایے کا فوجی نہیں وطن کا سرفروش مجاہد ہوں۔

کشمیر پولیٹیکل کانفرنس کے لیڈر محی الدین قرہ، جو کئی بار پاکستان کی حمایت کرنے کے جرم میں قید و بند کی مشکلات سے دوچار ہو چکے ہیں اور جو محمد ہاشم قریشی کے عزیز بھی ہیں، ۱۹۴۷ء سے اب تک پاکستان کے بہت بڑے حامیوں میں شمار ہوتے تھے مگر "ہائی جیکنگ" کے واقعہ کے بعد پاکستان کے رویہ نے انہیں بھی بدل کر دیا اور حال ہی میں پریس کو بیان دیتے ہوئے انہوں نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ اس سے کشمیری حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

ابھی چند ہی ہفتوں کی بات ہے کہ شیرِ کشمیر جناب شیخ محمد عبداللہ صاحب نے بھارت سے کشمیر پہنچنے پر اخباری نمائندوں کے سوالات کے جو جوابات دیئے اس کے اقتباسات بی۔بی۔سی۔ ریڈیو کشمیر اور آل انڈیا ریڈیو نے براڈکاسٹ ہوئے تھے۔ شیخ صاحب نے کوئی ایسی بات نہیں کہی تھی جو بھارت کے حق میں اور پاکستان کے خلاف جاتی ہو۔ مگر ان سوالات کے جوابات کو ایک سازش کے تحت پاکستان میں مقیم بی۔بی۔سی کے نمائندے مسٹر ایس۔ ایم غوری نے توڑ مروڑ کر پیش کیا جس سے شیخ محمد عبداللہ سے نفرت رکھنے والے اخبارات نے خوب نمک مرچ لگا کر اچھالا اور جلی سرخیوں سے شائع کیا، کارٹون بنائے اور اداریے تک لکھے۔

یہ پراپیگنڈہ "شملہ کانفرنس" سے پہلے کیا گیا اور لوگوں کے دلوں میں شیخ صاحب کے خلاف نفرت پھیلانے کی پوری پوری کوشش کی گئی۔ انہیں غدار، اقتدار کا بھوکا ابن الوقت اور نہ جانے کن کن القابات سے نوازا گیا۔ ایک کثیر الاشاعت اخبار کے صفحہ اول پر ایک کارٹون بھی چھپا جس میں شیخ صاحب کو اندرا کی ڈگڈگی پر ناچتے ہوئے ظاہر کیا گیا۔ جموں و کشمیر میں شیخ محمد عبداللہ لوگوں کے دلوں پر حکومت کرتے ہیں۔ کشمیر میں ان کی وہی پوزیشن ہے جیسی پاکستان میں قائدِ اعظم مرحوم کی ہے۔ مگر ان اخبارات نے کشمیریوں کے اتنے بڑے رہنما کی نسبت بی بی سی کے پاکستانی نمائندے کی فرضی کہانی کو زیادہ اہمیت دی اور ان سے مزید کچھ سننے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ انہیں تو عرف بہلانے کی ضرورت تھی۔ یقین نہیں آتا تھا کہ پاکستان کے بعض اتنے بڑے بڑے اخبارات اس قدر گراوٹ اور پست ذہنیت کا مظاہرہ بھی کر سکتے ہیں کہ وہ کشمیر کے مایہ ناز سپوت اور آزادیٔ کشمیر کے "SYMBOL" قائدِ انقلاب شیخ محمد عبداللہ کو اس طرح بھونڈے اور تحقیر آمیز طریقہ سے پیش کریں گے۔

شیخ صاحب کا قصور یہ ہے کہ انہوں نے ۱۹۶۷ء کے پُرآشوب دور میں آگے بڑھ کر مقبوضہ کشمیر کی ایڈمنسٹریشن کو کیوں سنبھالا۔ وہ قتل و غارت گری کا زمانہ تھا جب

چوہدری غلام عباس (مرحوم)

چوہدری غلام عباس مرحوم کے بدقسمت صوبہ جموں میں کشمیری مسلمانوں کو راشٹریہ سیوک سنگھ اور مہاراجہ کی ڈوگرہ سینا نے گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا تھا یا انہیں مہاجر بنا کر پاکستان کی طرف دھکیل دیا تھا۔ اگر شیخ صاحب ایسا نہ کرتے اور عقل و فہم سے کام نہ لیتے تو جموں کی طرح وادیٔ کشمیر میں بھی مسلمانوں کا وجود حرفِ غلط کی طرح مِٹ چکا ہوتا۔ وادی کے لوگ شہید کر دیئے جاتے اور یا انہیں بھی پاکستان کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا جاتا۔ آج جو کشمیر میں مسلمان نظر آتے ہیں یہ سب اللہ کی مہربانی اور شیخ صاحب کی دانشمندی کا نتیجہ ہے۔ ذرا آپ ریاست کپورتھلہ (بھارت) پر نظر دوڑائیے یہ مسلمانوں کی اکثریت کی ریاست تھی۔ کیا آج وہاں ایک بھی مسلمان نظر آتا ہے۔ ایسے نازک دور میں شیرِ کشمیر نے قوم کی "ڈوبتی ناؤ" کو کمال ہوشیاری اور دانشمندی سے بادِ مخالف کے خوفناک تھپیڑوں سے بچا کر بحفاظت کنارے تک پہنچا دیا۔ جب نفرت کا یہ طوفان ٹل گیا، حالات پُرسکون ہو گئے، قتل و غارت اور لوٹ مار کا دور ختم ہوا۔ اور انہوں نے جب محسوس کر لیا کہ اب میری قوم کا قتلِ عام نہیں ہو سکتا تو وہ خم ٹھونک کر سامنے آ گئے۔ اور بھارت کے خلاف پوری طرح ڈٹ گئے۔ یہاں تک کہ وزارتِ عظمیٰ کے ہاتھ سے نکل جانے کی پرواہ تک نہ کی اور اس طرح وزارتِ عظمیٰ کی کرسی کو لات مار کر پسِ دیوارِ زنداں چلے گئے اور کئی سال تک قید و بند کی مشکلات سے دوچار رہے۔

شیخ صاحب کے متعلق ایک اخبار نے اپنے اداریہ میں یہ بھی لکھا کہ ——— "انہوں نے سوچا ہو گا کہ آخری عمر میں ایک بار پھر اقتدار کے مزے لے لیں۔" شیخ صاحب سردار قیوم نہیں ہیں، جن کا دین و ایمان پیسہ ہے اور جو "المجاہد فراڈ"، اور دوسرے نت نئے ڈھونگ رچا کر پیسہ اکٹھا کرنے کے طریقے ایجاد کرتے رہتے ہیں۔ اگر شیخ صاحب اقتدار کے بھوکے ہوتے تو ہاتھ آئی ہوئی مقبوضہ کشمیر کی وزارتِ عظمیٰ کی کرسی کو کبھی لات نہ مارتے اور اب تک اس کے ساتھ چمٹے رہتے

کیا یہ حقیقت نہیں کہ شیخ صاحب نے ڈاکٹر ذاکر حسین کے بعد بھارت کی صدارت کی پیش کش کو نہایت حقارت سے ٹھکرا دیا تھا۔ کیا پاکستان میں کوئی ایسی مثال مل سکتی ہے کہ کسی نے مسندِ اقتدار کو اس طرح سے ٹھکرایا ہو۔ پاکستان میں تو اس وقت تک کوئی کرسی نہیں چھوڑتا جب تک کہ فالج زدہ ہو کر اس کا دم نہیں نکل جاتا اور پھر بوقتِ نزاع انگوٹھا لگوا کر اسے حکومت سے علیحدہ نہیں کیا جاتا۔ سکندر مرزا، ایوب خان اور پھر یحییٰ خان کے ادوار کو لوگ ابھی تک نہیں بھولے۔

پاکستان میں شیخ صاحب کے پائے کا ایک بھی ایسا لیڈر نہیں ملتا جس نے قائدِ اعظمؒ کے سوا اپنی قوم کے لیے اپنی جوانی کو اس طرح بڑھاپے میں تبدیل کر دیا ہو اور اپنی زندگی کے پچیس قیمتی سال قید و بند میں گزار دیئے۔

اسی اخبار نے اداریے میں آگے جا کر شیخ صاحب

"بھارت اور پاکستان کو کشمیر کا سودا کرنے کا کوئی اختیار نہیں" ۔ شیخ عبداللہ

کو "اسکول ماسٹر" کے نام سے پکارا ہے ۔ اسکول ماسٹر اس اخبار کے نزدیک گویا ایک ذلت آمیز پیشہ ہے ۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ استاد ہی تو ہوتا ہے جو نئی پود کو ایک قوم کی شکل میں تبدیل کرتا ہے ۔ وہ اخبار نویس شاید یہ بھول گئے کہ تاریخ میں ان مٹ نشانات چھوڑنے والی کئی ایسی ہستیاں گزری ہیں جنہوں نے اپنی زندگی کی ابتدا سکول ماسٹری سے کی ۔ نائیجیریا کے ابوبکر تفاوا بلیوا، سری لنکا کے سائمن بندرانائیکے، بھارت کے ڈاکٹر ذاکر حسین، انڈونیشیا کے عبدالرحیم سوئیکارنو اور یو این او کے ریٹائر سیکرٹری جنرل اوتھانٹ ؟ یہ سب سکول ماسٹر ہی سے یہاں تک پہنچے تھے ۔

شیخ عبداللہ کے بارے میں جب سب اخبارات اپنا اپنا زہر پھیلا چکے تو اچانک شیخ صاحب نے کشمیر کے علاقہ "سوپور" میں جو تقریر کی، اس نے شیخ صاحب کے خلاف پھیلائے گئے "زہر" کی پوری قلعی کھول کر رکھ دی جسے پاکستان کے تمام اخبارات نے جلی سرخیوں سے شائع کیا ۔ شیخ صاحب نے صاف صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ —— "مجھے پاکستان اور بھارت دونوں سے والہانہ انس ہے ۔ مگر اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ ہر دو کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ میری "جنم بھومی" کا سودا کرتے ہوئے اسے آپس میں بانٹ لیں، ایسا ہرگز نہیں ہونے دیا جائے گا ۔ ہم اپنی آزادی کی جنگ کو جاری رکھیں گے خواہ اس کے لیے مجھے کتنی بار مر کر دوبارہ زندہ ہونا پڑے اور یہ کہ کشمیریوں کو ایک طویل جنگِ آزادی لڑنے کے لیے تیار ہو جانا چاہیئے ۔"

شیخ صاحب کے خیالات سننے کے بعد چاہیے تو یہ تھا کہ جن اخبارات نے ان کے خلاف اداریے لکھے تھے اور کارٹون چھاپے تھے وہ معذرت کرتے ہوئے اپنی غلطی کا اعتراف کرتے تاکہ ان کے اداریوں کو پڑھنے والے کشمیریوں کو جو صدمہ پہنچا تھا کسی حد تک اس کا مداوا ہو جاتا مگر ایسا نہ کر کے انہوں نے اپنے متعلق کشمیریوں کے دلوں میں نفرت کے بیج بوئے ہیں ۔

اخبارات میں آج کل "شملہ کانفرنس" کے بارے میں طرح طرح کی قیاس آرائیاں قسط وار شائع ہو رہی ہیں کچھ معلومات کا اظہار تو برملا کیا جا رہا ہے مگر کچھ ایسی بھی ہیں جو مصلحت کے پردوں کی نذر ہو کر ابھی تک منظرِ عام پر نہیں آئیں ۔ سنا ہے کہ جب یہ پاکستانی اور بھارتی صحافی آپس میں ملے تو اِدھر اُدھر کی باتوں کے دوران پاکستان میں "گنگا ہائی جیکنگ کیس" کا موضوع بھی زیرِ بحث آیا ۔ جس پر بھارتی صحافیوں نے "ہائی جیکنگ" کے بارے میں دلیلیں دے کر جب پاکستان کے سرکاری مؤقف کو ایک "فریب" قرار دیا تو پاکستانی صحافیوں کی زبانیں گنگ ہو گئیں ۔

بھارتی صحافیوں نے طنزیہ لہجے میں کہا "پاکستان میں بڑے بڑے فراڈ ہوتے رہتے ہیں مگر گنگا ہائی جیکنگ اپنی نوعیت کا واحد فراڈ ہے جس کی پاکستان میں مثال نہیں ملتی" —— پاکستانی صحافیوں سے کوئی جواب نہ بن پڑا اور وہ خاموش رہے ۔

اردو کے بعد آزادیٔ صحافت

صفحہ ۱۱ سے آگے

نہ ہوتی ۔ جہاں آج آزادیٔ صحافت کے نام پر توڑ پھوڑ ہوتی ہے، آتشزنی ہوتی ہے ۔ فتنہ و فساد ہوتا ہے ۔ آزادیٔ صحافت کے روپ نرالے ہیں ۔

جب ہزاروں صحافی اپنے جمہوری حقوق سے محروم کر دیئے جاتے ہیں ۔ فاقہ کشی اور زبوں حالی میں مبتلا کر دیئے جاتے ہیں، تو نہ جماعت اسلامی کا ضمیر جاگتا ہے، نہ جمعیت العلمائے اسلام اور نیپ کا ضمیر جاگتا ہے ۔ اس وقت کاظمی کی این ۔ ایس ۔ ایف کو بھی سانپ سونگھ جاتا ہے اور اسلامی جمعیت طلباء بھی اندھی، گونگی اور بہری ہو جاتی ہے ۔ اس وقت بھی ان جماعتوں نے، ان تنظیموں نے سرمایہ داروں کے حق میں آزادیٔ صحافت کی تائید و حمایت کی تھی اور آج بھی کر رہے ہیں ۔ اس وقت یحییٰ حکومت تھی ۔ آج پیپلز پارٹی کی حکومت ہے ۔ یحییٰ حکومت کا اقدام صحیح تھا ۔ پیپلز پارٹی کا اقدام غلط ہے ۔

وقت، وقت کی بات ہے جب یحییٰ حکومت اخباری سرمایہ داروں کے ہاتھ مضبوط کرتی ہے تو جماعت اسلامی اور تمام اسلام پسند جماعتیں مرحبا اور آفرین کہتی ہیں اور جب پیپلز پارٹی کی حکومت ایک سرمایہ دار خانوادے کی سیاسی بلیک میلنگ کا منہ بند کر دیتی ہے تو آزادیٔ صحافت خطرے میں پڑ جاتی ہے ۔ مودودیوں اور اسلام پسندوں کے گھروں میں صفِ ماتم بچھ جاتی ہے ۔ نیپ کی صفوں میں کہرام برپا ہو جاتا ہے ۔

اپریل ۱۹۷۲ء میں بھی آزادیٔ صحافت کا جنازہ نکلا ۔ اور ۲۴ جولائی ۱۹۷۲ء کو بھی نکلا ۔ اس وقت صحافت کا جنازہ جماعت اسلامی اور اسلام پسندوں کے ہاتھوں نکلا اور آج جماعت اسلامی اور نیپ دونوں کے ہاتھوں نکل رہا ہے ۔ پی ایف یو جے کا معاملہ اور ہے ۔ وہ اپنی اصول پرستی کی شکار ہے ۔ اس نے اصولوں کی بنیاد پر آزادیٔ صحافت کے حق میں آواز اٹھائی ۔ جماعت اور نیپ نے اس سے فائدہ اٹھا کر اپنی سیاسی دکان سجائی ۔ انتشار اور لاقانونیت کو ہوا دی ۔ سیاسی انتقام کی آگ ٹھنڈی کی ۔ جمہوریت کے نام پر جمہوریت کا قتل ہوا ۔ آزادیٔ صحافت کے نام پر آزادیٔ صحافت تخریب پسندی اور رجعت پسندی کا شکار ہوئی ۔

سوچنے والے سوچتے ہیں اور سوچتے رہ جاتے ہیں کہ یہ آزادیٔ صحافت کیا ہے اور کس کے لئے ہے ؟ اخبارات کے مالکان سرمایہ دار ہیں ۔ کارخانوں اور ملوں کے مالکان بھی سرمایہ دار ہیں ۔ کیا سرمایہ دار، سرمایہ دار میں فرق ہوتا ہے ۔ ہے شاید ہوتا ہے ! جو سرمایہ دار کارخانے اور مل چلاتے ہیں ۔ محنت کا استحصال کرتے ہیں ۔ جو سرمایہ دار اخبارات نکالتے ہیں ۔ وہ کسی کا استحصال نہیں کرتے خدمتِ خلق کرتے ہیں ۔ عوام کی سیاسی اور اقتصادی آزادی کے لئے جدوجہد کرتے ہیں ۔ محنت کشوں کے حقوق کے لئے آواز بلند کرتے ہیں ۔ جمہوریت کی تبلیغ کرتے ہیں ۔ اپنے مفادات قربان کرتے ہیں ۔ خود آپ اپنے گلے پر چھری پھیرتے ہیں ۔ خودکشی کا اہتمام کرتے ہیں ۔

مقدس ہیں یہ سرمایہ دار ۔ ہم جمہوریت اور آزادیٔ صحافت کے "علمبردار" ان سرمایہ داروں کو سلام کرتے ہیں ۔ ہم ان تنظیموں کی اصول پرستی کو بھی سلام کرتے ہیں جو "خلوص اور ایثار کے پیکر" ان سرمایہ داروں کے "جمہوری حقوق" کے لئے جدوجہد کر رہی ہیں ۔ اور جس کی جدوجہد میں جماعت اسلامی اور نیپ بھی شریک ہے ۔ اسلام پسند اور ترمیم پسند دونوں سرگرم عمل ہیں ۔ جن کے کارکن لیاقت آباد، ناظم آباد اور گولی مار میں توڑ پھوڑ کرتے ہیں ۔ آتش زنی کرتے ہیں ۔ انتشار اور لاقانونیت پھیلاتے ہیں ۔ گندی گندی گالیاں لکھتے ہیں ۔ سوشلسٹوں کو قابلِ گردن زدنی قرار دیتے ہیں ۔ انڈونیشیا بنا دینے کی دھمکیاں دیتے ہیں ۔ آزادیٔ صحافت کا پرچم بلند کرتے ہیں ۔ جمہوریت کی جنگ لڑتے ہیں اور اقتدار مملکت فوج کو پیش کرنے کا اہتمام کرتے ہیں ۔

عبد المجیب خان

اگربتی کے ڈبے

"بابوجی —— بابوجی —— یہ اگربتی لے لو —— آٹھ آنے کا ڈبہ ہے۔" ایک دس سال کے بچے نے میرے قریب آتے ہوئے کہا۔

"بابوجی —— دیکھو میری چھوٹی چھوٹی تین بہنیں ہیں، میرا باپ کئی مہینوں سے بیمار ہے، یہ اگربتی لے لو —— آج ہمارے گھر میں ہانڈی پک جائے گی۔" اُس نے گھگھیاتے ہوئے کہا۔

"تم کہاں رہتے ہو —— ؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"لیاری میں رہتا ہوں —— بابوجی آپ نے ہماری بستی دیکھی ہے ؟" اس نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

"یہ لو" —— میں نے اس کی بات ان سنی کرتے ہوئے ایک روپیہ اس کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے تھیلے میں سے اگربتی کے دو ڈبے نکال کر میری طرف بڑھا دیئے ——

"نہیں نہیں —— اسے تم اپنے پاس رکھ لو —— !"

بابوجی میں نے کوئی بھیک تھوڑی مانگی ہے، یہ تو میری دکانداری ہے۔ آپ نے مجھے بھکاری سمجھا ہے ؟" اس کی آنکھوں سے آنسو کے قطرے ننھے ننھے رخساروں پر ٹپکنے لگے ——

"نہیں بھئی —— میں اصل میں ابھی آفس جا رہا ہوں، اپنے بڑے صاحب کے پاس، لہٰذا اسے کہاں رکھوں گا ——" میں نے پیار سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ اور پھر الفی سے بمبینو سینما کی طرف مڑ گیا۔

دوسرے دن وہ بچہ مجھے جوبلی سینما کے پاس ملا۔ مجھے دیکھ کر فوراً دوڑا دوڑا آیا۔ اور تھیلے میں سے اگربتی کے دو ڈبے نکال کر میری طرف بڑھائے۔

"بابوجی! ابھی تو صاحب کے پاس نہیں جا رہے ہیں ؟"

"نہیں نہیں —— تم اسے اپنے پاس رکھو جب مجھے ضرورت ہوگی تو میں لے لوں گا۔"

"نہیں بابوجی —— کل میری ماں مجھ پر بہت گرم ہوئی —— اس نے جب ڈبے گنے تو دو ڈبوں کے پیسے فالتو تھے۔"

میں نے پیار سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا —— "چلو ہوٹل میں کھانا کھائیں ——"

"تمہارے ابا جان کیا کرتے تھے ؟"

جوڑیا بازار میں گدھا گاڑی چلاتے تھے، پھر ایک دن ان کا "ایکسی ڈنٹ" ہو گیا۔ ہمارا گدھا فوراً مر گیا —— میرے بابا کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ ہمارے پاس اتنا پیسہ نہیں تھا کہ بڑے ڈاکٹر کو دکھاتے بس جراحی علاج کرایا۔ اس سے ریڑھ کی ہڈی میں پیپ پڑ گئی۔"

"اب صرف تم ہی کماتے ہو یا تمہارا اور کوئی بھی ......"

"میں یہ اگربتی بیچ لیتا ہوں، میری ماں بڑے صاحب کے گھر میں کام کرتی ہے۔ بس بابوجی یوں گذارا ہو جاتا ہے ——"

میں نے کھانے سے ہاتھ اٹھا لیا اور اس چھوٹے سے لڑکے کی طرف دیکھنے لگا جس کی عمر بمشکل دس سال تھی۔ جسم پر ایک پھٹی قمیض اور میلی سی پتلون، پاؤں ننگے، سر میں ہزاروں من مٹی، چہرے پر ابھی سے گہری سوچ کی لکیریں ابھر رہی تھیں۔ آنکھوں میں آنے والے دنوں کا خوف سمایا ہوا تھا۔

"بابوجی —— مجھے پڑھنے کا بہت شوق ہے۔ میں پانچ کلاسوں تک پڑھا ہوں۔ پھر میرا باپ بیمار ہو گیا تو مجھے پڑھائی چھوڑنی پڑی ——" اس نے اسکول کے بچوں کو دیکھ کر بولنا شروع کر دیا۔ جب میں ان بچوں کو اسکول جاتے دیکھتا ہوں تو میرا بھی جی چاہتا ہے کہ میں بھی ان کے ساتھ پڑھوں۔ بس شام کو خود ہی پرانی کتابیں پڑھ لیتا ہوں۔ نئی کتابیں خریدنے کے لئے پیسے نہیں ہیں۔ جب میرا باپ مزدوری کرتا تھا تو وہ مجھ سے کہتا میں تجھے خوب پڑھاؤں گا لیکن .....!" اس نے بڑے حسرت بھرے لہجے میں کہا۔ اور پھر آگے کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"یہ لو اس سے نئی کتابیں خرید لینا ——" میں نے پانچ کا نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔

"بابوجی آپ کس دفتر میں ملازمت کرتے ہیں: آپ تو بہت اچھے ہیں ——"

"میرا آفس بمبینو سینما کے برابر والی بلڈنگ میں تیسری منزل پر ہے۔ جب بھی تمہیں کسی قسم کی ضرورت ہو بلا روک ٹوک میرے آفس میں آ جایا کرو ——"

"اچھا اب چلتا ہوں ——"

"بابوجی آج میرے گھر چلئے —— میرا گھر لیاری میں بڑے نالے کے قریب ہے۔ بس چھوٹی سی جھگی ہے —— وہاں آپ کسی سے بھی رحیمو اگربتی والے کا پوچھ لیجئے۔ ویسے میرا نام عبدالرحمٰن ہے لیکن مجھے گھر والے پیار سے رحیمو کہتے ہیں۔..

"ہاں —— ہاں میں تمہارے گھر ضرور چلوں گا لیکن آج مجھے ذرا کام زیادہ ہے۔" میں یہ کہتا ہوا ٹرام میں چڑھ گیا اور رحیمو اگربتی والا اپنی دکانداری میں لگ گیا۔

دوسرے دن جب میں آفس پہنچا تو رحیمو آفس کے بڑے گیٹ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ مجھے دیکھ کر فوراً دوڑا دوڑا آیا۔

"بابوجی سلام —— بابوجی —— بابوجی آپ کا یہ سنتری بڑا خراب ہے مجھے اُوپر نہیں جانے دیتا، کہتا ہے بھیک نیچے مانگو۔ فقیروں کو اُوپر جانے کی اجازت نہیں ہے۔ میں تو اگربتیاں بیچتا ہوں بابوجی اسے بتا دیجئے میں بھکاری نہیں ہوں —— ؟"

"سکندر خان آئندہ اسے مت روکنا —— یہ بہت اچھا بچہ ہے ——" اور پھر میں نے اس کی خیریت پوچھی ——

"بابوجی رات سے میرے بابا کی طبیعت زیادہ خراب ہے۔ بستی شہر سے اتنی دور ہے کہ یہاں تک اُسے لاتے لاتے اس کا دم آدھا ہو جائے گا ——"

"کیوں وہاں کوئی ڈاکٹر نہیں —— ؟"

ہاں بابوجی ہے تو سہی لیکن —— غریبوں کی بستی میں جتنے ڈاکٹر ہیں وہ دوائیں کیا دیتے ہیں بس پانی زیادہ ہوتا ہے کیوں کہ ان کو پیسے کم ملتے ہیں ——"

"پھر کس کو دکھایا ——"

"کسی کو نہیں، ساری رات اللہ اللہ کر کے گذری۔ کہیں صبح کو آرام آیا تو وہ سو گئے۔ میں نے سوچا چلو اگربتی بیچ آؤں اور واپسی پر دوائی بھی لے آؤں گا ——"

"یہ لو —— اس سے اپنے بابا کی دوا خرید لینا ——"۔

نے دس کا نوٹ اس کو دیتے ہوئے کہا۔!

آج تیسرا دن تھا۔ لیکن رحیمو کی کوئی خبر نہ تھی ——

"کیوں بھئی سکندر خان وہ پرسوں جو بچہ آیا تھا۔ پھر کیا اس کے بعد نہیں آیا۔؟ میں نے آفس کے سنتری سے پوچھا۔

"نہیں بابوجی میں نے اس دن کے بعد اُس کو نہیں دیکھا۔"

شام کو آفس کے کام سے فرصت پانے کے بعد میں نے اُس کے گھر جانے کا ارادہ کیا۔

لیاری پہنچ کر میں اُس کے گھر کو تلاش کرنے لگا۔ بڑے نالے کے قریب ہی اُس نے اپنے گھر کا پتہ بتایا تھا۔ کچے پکے مکانات میں غریب محنت کش مزدور رہتے ہیں۔ گلیوں میں بچے گلی ڈنڈا کھیل رہے تھے۔ کہیں پتنگ بازی ہو رہی تھی اور کچھ بچے کوڑے کے ڈھیر میں ہیرے جواہرات تلاش کر رہے تھے۔ صبح کے تھکے ماندے لوگ کھانے کے خالی ڈبے ہاتھوں میں لٹکاتے واپس گھروں کو پلٹ رہے تھے۔ ان کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں، پیٹ کمر ایک تھا۔ یہ ملک کے محنت کش مزدور تھے۔ گھروں سے اُپلوں کے دھوئیں اُٹھ رہے تھے۔ یہاں لوگ سوئی گیس، برشین کی نسبت اُپلے زیادہ استعمال کرتے ہیں۔

"رحیمو کو جانتے ہو ——؟" میں نے ایک بچے سے پوچھا۔

"رحیمو ——!" اپنے بدن کو کھجاتے ہوئے وہ نام کو دہرانے لگا ——

"ہاں —— ہاں —— وہی رحیمو جو اگربتیاں بیچتا ہے ——"

"اوئے شرفو —— تو رحیمو کو جانتا ہے ——؟"

"تھوڑی دیر میں بہت سارے بچے جمع ہو گئے۔

"جانو —— تو جانتا ہے —— رحیمو کو ——! دینو۔ تو جانتا ہے ..... !" بچے آپس میں ایک دوسرے سے پوچھنے لگے۔

"وہ اگربتیاں بیچنے شہر جاتا ہے ——"

"ارے ننھے پھر تو رحیمو وہی ہے۔ جس کا باپ کل فوت ہو گیا۔ آؤ صاب جی —— ادھر آؤ ——"

تنگ و تاریک گندی گلیوں میں سے اس نے مجھے رحیمو کے گھر پہنچا دیا۔ شام کا دھندلکا جھونپڑیوں پر اتر آیا تھا۔ گھروں میں سورج کی روشنی کی جگہ لالٹین لے رہی تھی۔ رحیمو کے گھر میں بھی لالٹین ٹمٹما رہی ہو گی —— باہر تاریکی کا جال بچھا ہوا تھا۔ میں نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر سے کوئی آواز نہیں آئی۔ میں نے پھر دروازہ بجایا۔ اس مرتبہ ایک بوڑھی عورت باہر نکلی۔

"رحیمو یہیں رہتا ہے ——"

"ہاں ——"

"ذرا اس سے باہر بھیج دیجئے ——"

"آپ بابوجی —— شہر سے آئے ہیں ——"

"جی ہاں ——"

"وہ اپنے باپ کی قبر پر گیا ہے بس آتا ہی ہو گا۔ آیئے آپ بیٹھئے وہ دروازہ کھول کر ایک طرف ہو گئی۔ ایک کمرے کی جھونپڑی میں ایک پلنگ بچھا ہوا تھا۔ اِس کی تینوں بہنیں زمین پر سو رہی تھیں —— ایک کونے میں لالٹین ٹمٹما رہی تھی۔ کچھ دیر بعد رحیمو اگربتیوں کا تھیلا ہاتھ میں لٹکائے اندر داخل ہوا

"بابوجی آپ —— ہمارے گھر....؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"تین دن سے تم میرے آفس نہیں آئے۔ مجھے فکر ہوئی، اور جب یہاں پہنچا تو وہی ہوا جس کا مجھے خدشہ تھا۔ تمہارے والد کی موت کی خبر سُن کر مجھے سخت صدمہ ہوا۔

اس کی آنکھوں سے ننھے ننھے آنسو بہنے لگے۔ میں نے شفقت سے اُس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ اُس کی پیشانی گرم ہو رہی تھی۔" اوہ رحیمو تمہیں تو بخار ہے ——"

"نہیں بابوجی —— مجھے بخار نہیں ہے —— میں تو ابھی ابھی بابا کے پاس سے آ رہا ہوں —— میں نے اگربتی کا پورا ڈبہ اپنے بابا کی قبر پر جلایا ہے۔ میرے بابا کو خوشبو بہت اچھی لگتی تھی۔"

"رحیمو! بخار کافی تیز ہے ——" میں نے اُس کا ہاتھ دیکھتے ہوئے کہا —— "چلو میرے ساتھ ڈاکٹر کو دکھا دوں ——"

"نہیں بابوجی مجھے بخار نہیں ہے —— ویسے ہی گرمی سے جسم تپ گیا ہے۔ میرے مسلسل اصرار اور اُس کے انکار کے بعد میں نے دس کا نوٹ نکال کر اُس کو دیا —— اور تاکید کر دی کہ اس سے اپنی دوا لے آنا ——"

دوسرے دن صبح رحیمو آفس کے گیٹ پر کھڑا۔ میرا انتظار کر رہا تھا۔

"کیوں رحیمو دوا کھائی —— اب بخار کیسا ہے ——؟"

"بالکل ٹھیک ہے ——!"

"میں نے اُس کا ہاتھ دیکھا۔ بخار اب بھی تھا، لیکن کم۔ پھر میں اسے آفس کی ڈسپنسری میں لے گیا —— چونکہ ڈاکٹر سے پرانی دوستی تھی۔ لہذا اس سے دوا دلوا دی۔

"آج کس طرف پھیری لگانی ہے ——" میں نے پوچھا۔

"بابوجی آج بوہری بازار کا نمبر ہے ——"

"اچھا دوپہر کا کھانا میرے ساتھ کھانا —— ایک بجے لنچ ٹائم ہو گا ——" میں یہ کہہ کر اپنے کمرے میں چلا گیا اور رحیمو خدا حافظ کہہ کر سیڑھیوں سے نیچے اتر گیا۔

روزانہ رحیمو سب سے پہلے میرے دفتر آتا۔ ایک دن رحیمو نے کہا "آج کل میری دکان داری اچھی چل رہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے لوگوں نے اگربتیوں کا استعمال زیادہ کر دیا ہے۔ اب میں روزانہ دو تین روپے کما لیتا ہوں۔ اور جمعرات کے دن تو میری آمدنی چار سے پانچ تک ہو جاتی ہے۔ جمعرات کو میں کلفٹن پر دکان جماتا ہوں۔ اور کبھی کبھی قبرستان کا چکر بھی لگا لیتا ہوں۔ لوگ اپنے مرنے والوں کو زیادہ یاد کرنے لگے ہیں۔

ایک دن اُس نے پانچ کا نوٹ نکال کر میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔" یہ لو بابوجی باقی ۵ رہ گئے، وہ بھی چکا دوں گا۔"

"رحیمو"! میں نے اُس کی طرف دیکھا۔" میں نے تم سے کوئی تقاضہ کیا ہے۔ ارے میں نے تو بھائی بندی میں تمہاری مدد کی تھی اس کو تم اپنے پاس رکھ لو ——"

"نہیں بابوجی میرے بابا کہتے تھے۔ دنیا سے جانے سے پہلے ہر ایک کا حساب کتاب کر دو —— ورنہ پھر اللہ سزا دیگا۔ لہذا میں نے اپنے بابا کے قرضہ کو بھی چکا دیا ہے، تاکہ وہ وہاں آرام کی نیند سو سکیں۔ اور میں اپنی زندگی ......"

"ارے پگلے۔" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔" تیری تو ہزاروں سال کی عمر ہے اسے اپنے پاس رکھ لے ——"

"نہیں بابوجی زندگی کا کچھ بھروسہ نہیں۔ معلوم نہیں ابھی ابھی ایکسی ڈنٹ ہو جائے اور میں مر جاؤں ——"

"خدا نہ کرے —— ارے ایسا کیوں سوچتے ہو، ابھی تو تمہاری چھوٹی چھوٹی بہنیں ہیں، ماں بوڑھی ہے۔ اچھی باتیں سوچا کرو۔"

"میں زندگی سے ناامید ہو گیا ہوں! سوچنے سے کیا ہوتا ہے۔ میرا بابا بھی سوچتا تھا کہ اپنے بیٹے کو بڑا آدمی بناؤں گا۔ لیکن وہ سوچتے سوچتے مر گیا ——"

اب رحیمو اگربتیوں کے ساتھ ساتھ کنگھے، بال پن، بٹن وغیرہ بھی بیچنے لگا اور اکثر و بیشتر وہ ریگل اور بوہری بازار میں پھیری لگایا کرتا۔ لیکن اب بھی وہ ہفتے میں دو تین بار ضرور آتا —— اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنی تعلیم پر بھی خاصی توجہ دیتا۔ جب بھی میرے پاس آتا مجھے بتاتا ——

"بابوجی میں نے ساتویں کا کورس بھی ختم کر لیا۔ اب میں آٹھویں کا کورس پڑھ رہا ہوں۔ اپنی بہنوں کو بھی پڑھاتا ہوں۔ میری بہنوں کو اسکول جانے کا بہت شوق ہے۔"

آج صبح جب میں آفس جانے کے لئے گھر سے نکلا تو اخبار والا زور زور سے چلا رہا تھا۔" بندر روڈ پر ٹرام اور بس کا خوفناک حادثہ، پندرہ آدمی موقع پر ہلاک، ساٹھ آدمی شدید زخمی.... میں نے اخبار لیا۔ صفحۂ اوّل پر بڑی سُرخی کے نیچے ہلاک ہونے والوں کی تصویروں میں رحیمو کی تصویر بھی ایک کونے میں موجود تھی۔ تصویر دیکھ کر میں رک گیا۔ شاید میری نظریں دھوکا کھا رہی تھیں۔ میں نے تصویر کو غور سے دیکھا۔ واقعی یہ رحیمو تھا، وہی بکھرے بال، قمیض بھی وہی۔ لیکن شام ہی تو میری اس سے ملاقات ہوئی تھی —— مجھے یقین نہیں آ رہا تھا۔ میں نے اُس کے گھر جانے کا فیصلہ کیا۔

گھر کے باہر بہت سے لوگ بیٹھے تھے۔

"بابا کیا یہ سچ ہے؟" میں نے وہاں پر بیٹھے ہوئے ایک

باقی صفحہ ۳۴ پر ملاحظہ فرمائیے

بنگلہ دیش کو تسلیم کر کے ہم بھارتی توسیع پسندوں کے غلام بن جائیں گے

صفحہ ٦ سے آگے

اس کی مثال اس سے دی جا سکتی ہے کہ یہ جماعت پاکستان کی مخالف جماعت ہے۔ لیکن دورِ یحییٰ میں اچانک ہی نظریۂ پاکستان کی چمپئن بن کر اُبھری۔ سرمایہ داروں کے اخبارات نے اس کا جو نقشہ عوام کے سامنے پیش کیا، وہ یہ تھا کہ ملک کی سب سے بڑی جماعت ہی یہی ہے اور محافظِ پاکستان ہے۔ حالانکہ یہ غلط تھا اور آج بھی ہے۔ جماعتِ اسلامی یہ جانتی ہے کہ عوام کی اکثریت بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کی مخالف ہے۔ وہ ایک پاکستان کی حامی ہے بھارت کو جارحیت کا ذمہ دار ٹھہراتی ہے لہٰذا وہ عوام کی ہمدردیاں جیتنے کے لیے بنگلہ دیش تسلیم کرنے کی مخالفت کرنے کا بہروپ بھر رہی ہے جب کہ جماعتِ اسلامی کی فائلیں گواہ ہیں، اخبارات کے ریکارڈ موجود ہیں کہ جماعتِ اسلامی نے یحییٰ فوجی ٹولے کے ساتھ اشتراک سے پہلے یہ کہا تھا کہ اقتدار شیخ مجیب الرحمٰن کو دے دیا جائے۔ پروفیسر غلام اعظم نے کہا کہ بنگلہ دیش کو الگ وحدت کے طور پر تسلیم کر لیا جائے۔

پاکستان پیپلز پارٹی جو اکثریتی جماعت ہے اس کا مؤقف ہر چند کہ چند وزیروں کے بیانات پر قائم کیا گیا ہے کہ بنگلہ دیش کو تسلیم کر لیا جائے، تعجب خیز اور اس جماعت کے منشور کے منافی ہے۔ صدر بھٹو کی کتاب "عظیم المیہ" صدر بھٹو کے بیانات اور پاکستان پیپلز پارٹی کی عوام میں مقبولیت کی وجہ بھارت دشمنی اور ایک پاکستان ہے۔ اگر اس کے سوشلسٹ نعروں کو دیکھا جائے تو مسٹر خورشید حسن میر اور مولانا کوثر نیازی کے بیانات نہ صرف عوام دشمنی کی عکاسی کرتے ہیں بلکہ پاکستان پیپلز پارٹی کی پیٹھ میں چھرا گھونپنے کے مترادف ہیں۔

جب تک صبر و تحمل کے ساتھ اس مسئلہ پر پاکستان کے قومی، بین الاقوامی مؤقف، ہندوستان کی جارحیت کی ۲۵ سالہ کارروائیاں، روسی اور امریکی سامراج کی برصغیر سے متعلق جدید پالیسیوں، کشمیری عوام کے حق خود اختیاری مشرقی پاکستان کے عوام کی امنگوں کو پیشِ نظر رکھ کر غور نہیں کیا جائے گا، پاکستان پیپلز پارٹی الجھ کر رہ جائے گی۔ اور یہ عوام میں اس کی مقبولیت پر شدید ضرب ثابت ہو۔

قومی اسمبلی اس مسئلے پر بحث کرنے کی مجاز ہے۔ لیکن کوئی فیصلہ دینے کا حق نہیں رکھتی۔ اسمبلی کو کسی ایسے مسودے پر دستخط کرنے کا حق نہیں جس سے اپنے ہی ملک کے ایک حصّے کو آزاد قرار دے دیا جائے۔ اس بات کا اختیار کہ پاکستان کے جغرافیائی حد بندیوں میں کیا نئی تبدیلی کی جائے، کسی بھی مقتدر اسمبلی کو حاصل نہیں ہوتا۔ یہ حق صِرف اور صرف عوام کو حاصل ہے۔ اسمبلی ریفرنڈم کرائے اور یہ ریفرنڈم اسمبلی کی بحث کے بعد تین ماہ کے اندر اندر مکمل ہو جائے۔

ہمیں یہ اندیشہ ہے کہ بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کی صورت میں پاکستان پیپلز پارٹی کی قیادت اور کارکنوں کی صفوں میں بنیادی اور اصولی اختلافات شدت اختیار کر جائیں گے۔ یہ بھی امکان ہے کہ پارٹی کے کارکنوں کو ایماندارانہ اظہار رائے کی آزادی نہ دی گئی اور خالص جاگیردارانہ انداز میں کارکنوں کے خلاف کارروائیاں کی گئیں یا ان پر محض یہ جذباتی الزام لگا کر کہ ان کا مؤقف اس قومی مسئلے پر بعض رجعت پرست جماعتوں سے ملتا جلتا ہے، تو پھر پارٹی اور عوام کو اعتماد میں لینا مشکل ہو جائے گا۔

ہم دیکھ رہے ہیں کہ ایسے بہت سے کارکن جو سچائی

سفارت خانہ قائم کرنے سے مشرقی پاکستان کے عوام کی ہمدردیاں حاصل نہیں ہو سکتیں۔

اور نیک نیتی کے ساتھ بنگلہ دیش کو تسلیم کئے جانے یا فوری طور پر تسلیم کئے جانے کے مخالف ہیں۔ اُن کے خلاف پیلز پارٹی کا جی حضوری عنصر ابھی سے الزام تراشیاں کر رہا ہے۔ دائیں بازو کے انتہا پسند اور بائیں بازو کے انتہا پسند کی اصطلاح دانستہ طور پر استعمال کر کے انہیں رجعت پرست ٹھہرایا جا رہا ہے۔ کسی قومی مسئلے پر پارٹی کے کارکنوں کی ایماندارانہ رائے کا گلا گھونٹنے کا یہ ایک طریقہ ہو سکتا ہے اور یہ بھی سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ جب صدر ذوالفقار علی بھٹو، ۱۹۶۶ء میں معاہدہ تاشقند کی مخالفت کر رہے تھے تو اُس وقت تمام رجعت پرست سیاسی جماعتیں بشمول جماعت اسلامی معاہدۂ تاشقند کی مخالفت میں مصروف تھیں۔ کیا اس کا مفہوم یہ لیا جائے گا کہ وہ معاہدۂ تاشقند کی مخالفت کرتے ہوئے جماعت اسلامی کے ہاتھوں میں کھیل رہے تھے یا اُن جیسا کردار ادا کر رہے تھے۔ یقیناً نہیں۔ ہرگز نہیں۔ تو آج پارٹی کے سنجیدہ اور ایماندار کارکن جو دلائل کی بنیاد پر بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے یا فوری طور پر تسلیم کرنے کے مخالف ہیں۔ اُن پر یہ الزام لگانا کہ وہ دائیں بازو کی جماعتوں کا سا کردار ادا کر رہے ہیں۔ سوشلسٹ سیاست اور حقیقت پسندی کے منافی ہے۔ بنگلہ دیش کو فوری طور پر تسلیم کئے جانے کی مخالفت کرتے ہوئے محب الوطن اور سچے پاکستانیوں کا موقف یہ ہوگا۔

(۱) رجعت پرست جماعتیں بنگلہ دیش تسلیم کئے جانے کی آڑ میں اس قابل ہوں گی کہ وہ پاکستان پیپلز پارٹی کی جڑیں عوام میں کھوکھلی کر دیں۔ اور یہ افسوسناک گمان بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے حکومتی اقتدار میں تبدیلی آجائے۔

(۲) کیا پاکستان پیپلز پارٹی اور اس کے سربراہ جو چھ نکات کے مسئلے پر مشرقی اور مغربی پاکستان کی منتخب شدہ اسمبلی میں بیٹھنے کے لئے تیار نہ تھے اور اسمبلی میں شریک ہونے کی بجائے چھ نکات پر اسمبلی سے باہر تصفیے کے خواستگار تھے۔ اُن کی رائے تھی کہ اسمبلی میں اس طرح شریک ہو کر وہ مجیب کی اکثریتی پارٹی کی اُس سازش کا شکار ہو جائیں گے جو مشرقی اور مغربی پاکستان کو ایک دوسرے سے الگ کر دے گی۔ اِس لئے اب جب کہ ملک ٹوٹ چکا ہے، مشرقی پاکستان پر ہندوستان کا سیاسی، اقتصادی اور فوجی اقتدار قائم ہو چکا ہے، ہزاروں بنگالی اور غیر بنگالی عوام کا قتلِ عام کیا جا چکا ہے۔ ہماری ۹۳ ہزار فوج ہندوستان کے قبضے میں ہے۔

....

اور ہمیں عبرتناک شکست ہوئی ہے۔ اب اپنے مؤقف میں حکمران پارٹی اور اُس کے قائد کے رویّے میں اچانک اِس قدر بڑی تبدیلی کا پیدا ہونا، مغربی پاکستان کے عوام کے دلوں میں شک و شبہات پیدا کر دے گا کہ جس مسئلے پر وہ مشرقی اور مغربی پاکستان کی مشترکہ اسمبلی میں بحث کرنے کو تیار نہ تھے اب اُس مسئلے کے لازمی نتائج یعنی بنگلہ دیش کے قیام اور اُسے ایک الگ ریاست تسلیم کئے جانے کے معاملے کو آدھے پاکستان کی اسمبلی میں لے جانے کے لئے تیار ہو گئے۔

(۳) مشرقی پاکستان میں پاکستانی فوجی جنتا کی عبرتناک شکست کے بعد ذوالفقار علی بھٹو کا وہ اعلان اور بیان عوام کو یاد ہے "ہمیں فوجی شکست ہوئی ہے لیکن ہمیں ہندوستان کے سامنے

بنگلہ دیش ہندوستان اور روسی سازش کے نتیجے میں وجود میں آیا

سیاسی شکست نہیں ہوئی۔ تو ہمیں اپنی فوجی شکست کو صحیح سیاسی سوچ اور فکر سے فتح میں تبدیل کر دیتی ہیں"۔ کیا بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کے لازمی معانی یہ نہیں ہوں گے کہ اب ذوالفقار علی بھٹو فوجی شکست کے ساتھ ساتھ ہندوستان کے سامنے پاکستان کی سیاسی شکست تسلیم کرنے پر بھی رضامند ہو گئے ہیں۔ کیونکہ بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کے معانی یہی ہوں گے کہ مجیب کی چھ نکاتی جدوجہد صحیح تھی۔ مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ، اس کے موقف سے ہمکنار سیاسی جماعتیں اور ان کی قیادت میں چلنے والے عوام کا موقف قطعی درست تھا اور پاکستان پر ہندوستان کی فوجی جارحیت اور سیاسی مداخلت نہ تھی بلکہ اخلاقی، انسانی اور بین الاقوامی ذمہ داری تھی۔ کیا اس طریقے سے ہم ہندوستان کی جارحیت کے سامنے سیاسی میدان میں گھٹنے نہ ٹیک دیں گے اور فوجی شکست کو سیاسی جدوجہد سے تبدیل کرنے کے عظیم انقلابی سوشلسٹ موقف کو نظرانداز نہ کر دیں گے۔

(۴) صدر ذوالفقار علی بھٹو مشرقی پاکستان میں ۲۵ مارچ ۷۱ء کی فوجی کارروائی کے بعد جب پہلی بار ڈھاکہ سے کراچی پہنچے تو ان کے الفاظ تھے۔ "خدا نے پاکستان کو بچا لیا"۔ کیا اب جب کہ پاکستان ٹوٹ گیا اس کے معانی یہ نہ ہوں گے کہ پہلے وہ مشرقی پاکستان میں کی جانے والی فوجی کارروائی کے حامی تھے اور بعد میں اس سے منحرف ہو گئے ہیں۔

(۵) مشرقی پاکستان کے سلسلے میں حکمران پارٹی کے وزیروں کی یہ دلیل کہ "بنگلہ دیش تو ایک حقیقت ہے اور ہم حقیقت کو تسلیم کرنے سے کیسے گریز کر سکتے ہیں"۔ کیا افسوسناک نہیں ہے جو جماعت چھ نکات کو تسلیم نہ کرنے پر اڑی ہوئی تھی اب وہ جماعت ۹۰ درجے کی قلابازی لگا کر مشرقی پاکستان کو الگ ملک تسلیم کرنے پر تیار ہو گئی ہے۔ یہ دلیل کہ بنگلہ دیش ایک حقیقت ہے نہ تو عوام کی سمجھ میں آسکتی ہے اور نہ کسی بھولے سوشلسٹ کی دلیل بن سکتی ہے کیونکہ سوشلسٹ یہ جانتے ہیں کہ سامراجی طاقتوں کی بین الاقوامی سازشوں، توسیع پسند ممالک کی ہوسِ ملک گیری اور بڑے سرمایہ دار ممالک کی چھوٹے ممالک کے اندرونی معاملات میں مداخلت کے نتیجے میں بہت سی گھناؤنی، ناپاک، عوام دشمن حقیقتیں انسانی تاریخ کے پردے پر نمودار ہوتی ہیں۔ لیکن اچھے سوشلسٹ "پختہ ایمان کے سوشلسٹ" اور حقیقی انقلابی ان حقیقتوں کو تسلیم کرنے کے بجائے اپنے سوشلسٹ نصب العین انقلابی جدوجہد اور بین الاقوامی عوامی انقلابی جدوجہد کی بنیاد پر ان حقیقتوں سے انکار کرتے ہیں اور ان کے خلاف ہمیشہ برسرپیکار رہتے ہیں۔ کہ بنگلہ دیش ایک حقیقت کے طور پر ہندوستان اور روسی سازش کے نتیجے میں عالم وجود میں آیا اور ہمیں اُسے تسلیم کر لینا چاہیئے تو پھر اسرائیل کے سلسلے میں ہمارا موقف کیا ہو گا۔؟ فارموسا (تائیوان) کے سلسلے میں ہمارا موقف کیا ہو گا؟ کم از کم اسرائیل بنگلہ دیش کے مقابلے میں زیادہ پائیدار سامراجی حقیقت ہے اگر ہم بنگلہ دیش کو تسلیم کر لیتے ہیں تو ہمیں خطرہ ہے کہ سامراجی دباؤ میں آکر کل اسرائیل کو بھی تسلیم کر لیں گے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(۶) یہ دلیل کہ ہم مسلم بنگال کے عوام کو کیسے نظرانداز کر سکتے ہیں ہم تو مسلم بنگال کے عوام سے دوستی چاہتے ہیں، بڑی خوبصورت اور پاکستان کو حصے بخرے کرنے کی زہریلی گولی کے مترادف ہے کہ دنیا کا کوئی فرد یا انقلابی جماعت مسلم بنگال کے عوام کے خلاف نہیں

مسلم بنگال کو علیحدگی کا حق دیکر مسلم پنجاب، مسلم سرحد اور مسلم بلوچستان کی علیحدگی کی راہ ہموار ہو جائے گی

ہو سکتی۔ لیکن یہ سمجھنا کہ محض سفارتخانہ قائم کر دینے سے مشرقی پاکستان کے عوام کی ہمدردیاں حاصل ہو جائیں گی یا ان سے دوستی کا حق نبھایا جا سکے گا غلط اور بے بنیاد ہے۔ سفارت خانہ قائم کرنے سے اگر کسی ملک یا خطے کے عوام سے دوستی، بھائی چارہ کے رشتے استوار ہو سکتے ہیں تو پھر ہمارے سفارتخانے تو دنیا کے بہت سے ممالک اور خطوں میں قائم ہیں۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں ہمارا سفارتخانہ مسلم ملائیشیا میں بھی موجود تھا اور کیا یہی وہ دوستی تھی جس کے نتیجے میں مسلم ملائیشیا نے پاکستان کی مخالفت کی تھی۔ سفارت خانوں سے عوام سے دوستی نہیں ہوتی۔ یہ صحیح عوامی انقلابی حکمت عملیاں ہوتی ہیں جس کے نتیجے میں دنیا کے مظلوم عوام کے درمیان بین الاقوامی سطح پر پائیدار رشتے قائم ہوتے ہیں۔ آج شمالی ویت نام میں ہمارا کوئی سفارتخانہ نہیں اور نہ ہی شمالی ویت نام کا پاکستان میں کوئی سفارت خانہ ہے لیکن یہ شمالی ویت نام کی صحیح سیاسی اور انقلابی حکمت عملی ہے جس کی وجہ سے پاکستان کے عوام شمالی ویت نام سے سفارتی تعلقات نہ ہونے کے باوجود اور امریکہ سے سفارتی تعلقات ہونے کے باوجود امریکی سامراج کی مخالفت پر کمربستہ ہیں اور ویت نام کے مظلوم عوام کی حمایت کرتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ مسلم بنگال کے عوام کی اگر موجودہ حکومت تائید اور حمایت کرنا چاہتی ہے تو اُسے سفارتی تعلقات کے کمزور رشتوں پر بھروسہ کرنے کی بجائے مغربی پاکستان میں صحیح سیاسی اور معاشی حکمت عملی قائم کرنا چاہیئے تاکہ ہم ایک ایسا معاشرہ قائم کر سکیں کہ وہ مشرقی پاکستان کے عوام کے لئے مشعل راہ بن سکے اور ہم دوبارہ مسلم بنگال کے مظلوم عوام میں اپنی کھوئی ہوئی ساکھ کو قائم کر کے محنت کشوں کی بین الاقوامیت کے رشتوں کو استوار کر سکیں۔

(۷) بنگلہ دیش کو فوری طور پر تسلیم کرنے سے دو طرح کے بین الاقوامی اور قومی ہمہ گیر اثرات مرتب ہوں گے۔ ایک تو یہ کہ ہمیں ہندوستان کی توسیع پسند سیاست کے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑیں گے اور روسی سوشل سامراج کی اس خطہ ارض میں اُس بین الاقوامی پالیسی کو مجبوراً تسلیم کرنا پڑے گا جس کے تحت وہ "ریاست ہائے متحدہ ہندوستان" کا نعرہ بلند کر کے پاکستان اور ہندوستان کے گرد بسنے والے تمام چھوٹے ممالک کو ہندوستان کی جھولی میں ڈال کر اُسے عظیم سوشلسٹ چین کے خلاف استعمال کرنا چاہتا ہے۔

دوسرا یہ کہ سیاسی اور اقتصادی انقلاب لائے بغیر اور مغربی پاکستان کے عوام کو اقتصادی خوش حالی سے ہمکنار کئے بغیر، نیز مغربی پاکستان میں رہنے والی تمام قومیتوں کو ان کے جائز اور مساوی حقوق دیئے بغیر اور صوبائی خود مختاری کے مسئلے کو حل کئے بغیر، ہم نے جلد بازی میں بنگلہ دیش کو تسلیم کیا تو اُس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ مغربی پاکستان کے مختلف صوبوں میں وہ علاقائی، صوبائی اور قومی تحریکیں جو سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کی قیادت میں چل رہی ہیں مضبوط ہو جائیں گی اور یہ خطرہ لاحق ہو گا کہ یہ رجعت پرست گروہ اور جماعتیں صوبائی خود مختاری اور قومیتوں کی آزادی کے منفی تصور کی آڑ میں بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کی دلیل پر یہ مطالبہ کرنے میں حق بجانب ہو جائیں گی۔ کہ اگر مسلم بنگال کے عوام کو صوبائی خود مختاری کے نام پر علیحدہ ملک تسلیم کیا جا سکتا ہے تو پھر ہم نے کیا قصور کیا ہے ہمیں بھی مسلم سندھ، مسلم پنجاب، مسلم سرحد اور مسلم بلوچستان کے نام پر علیحدگی کا حق دیا جائے ہم سمجھتے ہیں کہ موجودہ حکومت کے پاس بنگلہ دیش کو فوری طور پر تسلیم کرنے کے بعد ایسی کوئی سیاسی دلیل نہ ہو گی کہ وہ سندھو دیش، پختونستان اور عظیم تر بلوچستان کو تسلیم کرنے پر مجبور نہ ہو جائے اور اُسے پاکستان کو خدا حافظ

کہنا پڑے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ فوری طور پر بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے سے پہلے ہمیں اپنے چاروں صوبوں کے عوام کو سوشلسٹ بنیادوں پہ پاکستان کی سرحدوں کے اندر حقیقی صوبائی، سیاسی اور معاشی خود مختاری دے دینا چاہیئے تاکہ صوبائی خود مختاری کے نام پر علیحدگی کی تحریکیں جڑ نہ پکڑ سکیں اور پاکستان تباہ و برباد نہ ہونے پائے۔ لیکن صوبائی خود مختاری کا تصور ہمارے نزدیک وہ نہیں جو جی ایم سید۔ ولی خان یا بگٹی کا ہو سکتا ہے بلکہ حقیقی سوشلسٹ خود مختاری کے معنی یہ ہیں کہ پاکستان کے مختلف صوبوں کے درمیان علاقائی معاشی لوٹ کھسوٹ کا خاتمہ کیا جائے۔ یعنی ملک میں یک لخت ہر قسم کے سامراجی سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ استحصال کا خاتمہ کیا جائے تاکہ صوبائی خود مختاری سرحد میں حبیب اللہ اینڈ کو کی بجائے وہاں کے مزدوروں اور کسانوں کو حاصل ہو۔ سندھ میں جی ایم سید، وڈیروں اور سرمایہ داروں کی بجائے صوبائی خود مختاری کی تحریک سندھ کے ہاریوں اور محنت کشوں کے ہاتھ میں ہو اور اسی طرح بلوچستان میں اس کا فائدہ سرداروں اور لیڈروں کو حاصل ہونے کے بجائے غریب، پس ماندہ اور مظلوم بلوچی عوام کو حاصل ہو۔ کیونکہ جی۔ ایم۔ سید ولی خان اور بگٹی کی سرمایہ دارانہ صوبائی خود مختاری سے ممکن ہے کہ علاقائی استحصال ختم ہو جائے اور داخلی استحصال زور پکڑ جائے۔ جس سے پاکستان میں نوابوں اور سرداروں، سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کی آزاد اور خود مختار ریاستیں تو قائم ہو سکتی ہیں لیکن قومی اور صوبائی خود مختاری کے سوشلسٹ تصور کے تحت ایک کثیر القومی مسلم پاکستان قائم نہیں ہو سکتا۔ جس میں ایک صوبے اور ایک قومیت کے مظلوم عوام دوسرے صوبے اور دوسری قومیت کے مظلوم عوام کے شانہ بشانہ ایک سوشلسٹ غیر طبقاتی پاکستان قائم کر سکیں اور محنت کشوں کی بین الاقوامیت کی بنیاد پر دنیا کے تمام مظلوم عوام اور خصوصاً ایشیا۔ افریقہ اور لاطینی امریکہ کی تائید اور حمایت کر سکیں تاکہ ایک بین الاقوامی سوشلسٹ معاشرہ قائم ہو سکے۔ یہ کام بنگلہ دیش کے قیام سے پہلے ہی کر لیا جاتا تو شاید پاکستان نہ ٹوٹتا۔ اب بھی وقت ہے کہ ہم بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے سے پہلے یہ کام انجام دیں ورنہ بنگلہ دیش کی طرح مغربی پاکستان تاریخ میں ایک اور عظیم المیے کو ترتیب دیگا۔ اس کا ذمہ دار کون ہوگا۔ اس کا تاریخ فیصلہ کرے گی۔

تنظیم ختم ہو چکی ہے

ولی اللہ صدیقی

رکن پیپلز پارٹی۔ اورنگی ٹاؤن کراچی



(۱) ——— پارٹی کے برسر اقتدار آنے کے بعد خوشامدیوں کی بھرمار ہو گئی ہے اور جو اقتدار پر موجود وزراء کے عزیز و اقارب ہیں ان کے ارد گرد گھومتے نظر آتے ہیں۔ عوام سے پیپلز پارٹی نے جو وعدے کیے ہیں وہ پورے ہونے کی امید نہیں کیونکہ آج بھی وہی کچھ ہو رہا ہے جو گزشتہ دور میں حکمران ٹولہ کرتا رہا ہے۔

(۲) ——— اب تک پارٹی نے کوئی ایسا کارنامہ انجام نہیں دیا جس سے یہ امید ہو جائے کہ مستقبل میں پارٹی اپنے وعدے پورے کرے گی۔ لیبر پالیسی نے مزدور طبقہ کو اور بھی مایوس کر دیا ہے۔

(۳) ——— پارٹی کی اعلیٰ قیادت، سرمایہ دار، جاگیردار اور زمیندار طبقہ کے پاس تھی۔ یہ لوگ پارٹی کے اقتدار میں آنے کے انتظار میں تھے۔ اور انہی کو حکومت میں وزارت ملی۔ اس کے بعد تھوڑا بہت جو رابطہ عوام سے تھا وہ بھی ختم ہو گیا۔

(۴) ——— سرکاری عہدوں پر جانے کے بعد رہنماؤں کا رویہ بدل گیا ہے۔

(۵) ——— ہمارے علاقے میں تنظیم پارہ پارہ ہو چکی ہے۔ کارکن اپنی مرضی سے جو چاہیں کرتے پھریں کھلی چھٹی ہے۔

(۶) ——— پارٹی کے بعض با اثر قائدین نے اسی دن سے ناجائز کمائی شروع کر دی تھی جس دن سے پارٹی کو حکومت سونپی گئی ہے۔ اس کی مثال نصرت بھٹو کالونی، پیپلز کالونی اور بھٹو پارک کے نام سے ناجائز قبضہ کر کے اور سابقہ "یحییٰ کالونی" کو نظر انداز کر کے بھٹو کالونی اور بھٹو چوک کے نام سے ہزاروں گز زمین، سینما کے پلاٹس، وغیرہ خود ہی فروخت کرنا شروع کر دیئے۔ اور "ڈی ڈی اے" خاموش تماشائی بنی بیٹھی ہے۔

(۷) ——— حکومت پارٹی سے بنتی ہے، حکومت سے پارٹی نہیں بنتی! حکومت پر پارٹی کا کنٹرول ہونا چاہیئے۔

(۸) ——— عبدالحفیظ پیرزادہ صاحب نے اعلان کر دیا ہے کہ کوئی کارکن کسی متعلقہ انتظامی حکام سے اپنے علاقہ کے کسی مسئلہ کے سلسلے میں نہ ملے۔ اور نہ ہی کوئی رابطہ قائم کرے ـــــ تو کارکن کی کیا مجال کہ وہ ایسا کرے۔

بقیہ: چارو مجمدار

انقلابیوں کی زد میں ہیں۔

نکسل باڑی تحریک کا مقصد لگان کی معافی، فصل کی بٹائی اور زمین حاصل کرنا نہیں بلکہ بندوق کی نالی سے استحصالی طبقوں کی حکومت کا تختہ الٹ کر سیاسی اقتدار حاصل کرنا اور پرولتاری آمریت قائم کرنا ہے۔

کامریڈ چارو مجمدار سچے کمیونسٹ تھے اس لیے سوشل سامراج سے سخت نفرت کرتے تھے۔ اس کے بدترین دشمن تھے۔ اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:۔

"اب چین کے عظیم ثقافتی انقلاب نے ہمیں یہ سبق سکھایا ہے کہ سامراج، سوشل سامراج کے روپ میں ترمیم کے ذریعے ہر ملک میں انقلاب دشمنی پر کاربند ہے لہٰذا ترمیم پسندی کی مخالفت کیے بغیر کوئی انقلاب نہیں لایا جا سکتا۔ ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ چین جس کی قیادت چیئرمین ماؤ کر رہے ہیں، اس کے ساتھ ملیں۔ کیونکہ دنیا بھر کے انقلابیوں کے ساتھ اسی طرح اتحاد کیا جا سکتا ہے۔"

بھارت کی رجعت پسند حکومت سرمایہ دار اور جاگیردار پہلے ہی سے نکسل باڑی تحریک کے بدترین دشمن تھے لیکن

جب وہ سوشل سامراج سوویت یونین کی زلف کی اسیر بنی تو اس نے اپنی تمام تر طاقت نکسل باڑی تحریک کو کچلنے پر صرف کردی۔ نکسل باڑی انقلابیوں کے خون سے ہولی کھیلی گئی۔ وسیع پیمانے پر گرفتاریاں کی گئیں لیکن یہ تحریک فروغ پاتی رہی۔ مظلوم عوام کے دلوں میں آزادی اور انقلاب کی جوت جگاتی رہی۔ کیونکہ جب صدیوں سے کچلے ہوئے عوام بندوقیں اٹھا لیتے ہیں تو دنیا کی کوئی طاقت انہیں جھکا نہیں سکتی۔ مظلوم عوام آخری اور مکمل فتح تک اپنی جنگ جاری رکھتے ہیں۔ اگر بھارتی حکومت یہ سمجھتی ہے کہ کامریڈ چارو مجمدار کے انتقال کے بعد نکسل باڑی تحریک ختم ہو جائے گی تو یہ اس کی خام خیالی ہے۔ بھارتی حکمرانوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ کامریڈ چارو جیسے لوگ مرکر بھی مظلوم عوام میں جذبۂ انقلاب پیدا کیا کرتے ہیں کیونکہ افکار کبھی نہیں مرتے وہ آفاقی ہوتے ہیں، کوئی کامریڈ چارو مرتا نہیں ہے۔ اور بونے اس کی یاد اور افکار کو مٹا نہیں سکتے۔

بقیہ: ظاہری خبریں اندرونی کہانیاں

ایک کڑی ہیں جس کے تحت اردو کے تحفظ کے نام پر قتل و غارت گری کا بازار گرم ہوا۔ اس سازش کی بعض اہم تفصیلات "الفتح" کے پچھلے شمارے میں پیش کی جا چکی ہیں۔ لیکن جو تازہ ترین اطلاعات ملی ہیں ان کے مطابق یہ منصوبہ صرف چند علاقوں میں فتنہ و فساد برپا کرانے کے لئے نہ تھا بلکہ کراچی اور سندھ کے دوسرے شہروں میں نظام زندگی کو مکمل طور پر مفلوج بنانے کے لئے تھا۔

بتایا جاتا ہے کہ نیپ کے ایک ذمہ دار عہدیدار نے مبینہ طور پر اپنا ایک ایجنٹ ریلوے لیبر یونین کے ایک عہدے دار کے پاس بھیجا جنہیں ریلوے میں ہڑتال کرانے کے لئے ۲۵ ہزار روپے کی پیش کی گئی۔ جسے اُس نے مسترد کر دیا اور ایجنٹ کو ڈانٹ کر اپنے گھر سے باہر نکال دیا۔ اسی طرح جماعت اسلامی کے ایک مقامی لیڈر کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے پی آئی اے میں ہڑتال کرانے کے لئے یونین کے بعض ذمہ دار عہدے داروں کو خاصی معقول رقم پیش کی اور ان کے انکار پر انتقام لینے کے لئے یونین کے ایک بڑے عہدے دار کے مکان کو نذرِ آتش کرا دیا گیا۔

ایسی ہی اطلاعات کراچی الیکٹرک سپلائی، کراچی ڈویلپمنٹ اتھارٹی، کراچی شپ یارڈ اور پورٹ ٹرسٹ کے قریبی حلقوں سے ملی ہیں۔ ان اداروں میں ہڑتال کرانے کے لئے موٹی موٹی رقموں کی رشوت پیش کی گئی۔ مقصد یہ تھا کہ شہر میں ہڑتال اور ہنگاموں کے ساتھ ساتھ ریلوے کا نظام درہم برہم ہو جائے اور اس طرح عام بغاوت کے حالات پیدا ہو جائیں۔ ملک کے اندر اور بیرونی دنیا میں پیپلز پارٹی کی حکومت بدنام اور ناکارہ ہو جائے اور یا تو وہ خود ہی اقتدار سے دست بردار ہونے پر مجبور ہو جائے یا فوج عنانِ حکومت سنبھال لے۔ یہ ایک گہری اور منظم سازش تھی۔

حالیہ ہنگاموں میں جماعت اسلامی اور نیپ نے جو کردار کیا اس کی نوعیت یہ ہے کہ زبان کے مسئلہ پر دونوں کو جس کامیابی کی توقع تھی وہ پوری نہ ہوئی۔ بلکہ اردو بولنے والے ان سے خاصے برگشتہ ہو گئے۔ انہوں نے لسانی سمجھوتے کے ساتھ ساتھ لسانی مسئلہ کو بھی سیاسی ڈھونگ قرار دیا۔ اس بڑھتے ہوئے شدید ردِعمل سے بدحواس ہو کر جماعت اسلامی اور نیپ نے اردو بولنے والے عوام کی توجہ ہٹانے کے لئے کسی دوسرے مسئلہ کو تلاش کیا۔ اتفاق سے "سن" پر پابندی کا مسئلہ گرم تھا۔ ان جماعتوں نے فوراً اس موقع سے فائدہ اٹھایا۔ چنانچہ اس سلسلے میں جماعت اسلامی اور نیپ (عثمانی گروپ) کی خفیہ میٹنگیں ہر رات ہوتیں۔ دوسری طرف جماعت کے دفتروں میں بھی اس کی ذیلی تنظیموں کے مشترکہ جلسے کئے جاتے جہاں ہنگامہ آرائی کے منصوبے کی ایک ایک تفصیل زیرِ بحث آتی۔

۲۳ جولائی کی رات زبردست تیاریوں کی رات تھی۔ ان تیاریوں کے تین اہم مرکز تھے۔ ناظم آباد نمبرہ کے ایک دومنزلہ مکان میں تمام رات ایسے طلباء اور نوجوانوں کا جمگھٹا رہا جن میں این ایس ایف (کاظمی گروپ) اور اسلامی جمعیت طلباء کے علاوہ چند دوسری معروف اور غیر معروف تنظیموں کے طلباء نے بھی شرکت کی۔ ایسا ہی دوسرا اجتماع لیاقت آباد نمبر ۲ کے ایک مکان میں ہوا۔ تیسرا اجتماع کورنگی نمبر ۲½ کے ایک مکان کے عقب میں ہوا جس میں نیپ جماعت اسلامی اور دائیں بازو کی دوسری تنظیموں کے رہنماؤں نے شرکت کی۔ سنا ہے اس خفیہ اجتماع میں جماعت اسلامی کے اقبال حسین، مولانا منور حسین، جمعیت العلمائے پاکستان کے مولانا حقانی اور نیپ (عثمانی گروپ) کے محمود الحق عثمانی اور علاؤالدین شریک ہوئے۔ یہ تینوں اجتماع بظاہر علیحدہ علیحدہ ہوئے مگر ان میں پورا اشتراکِ عمل تھا۔ سب کو ایک دوسرے کے پروگرام کا پوری طرح علم تھا۔

ان خفیہ جلسوں میں جن نوجوانوں نے سب سے اہم کردار ادا کیا۔ وہ مشرقی پاکستان سے آنے والے وہ غیر بنگالی تھے، جو "البدر" اور "الشمس" کی سرگرمیوں میں عملی طور پر حصہ لے چکے تھے۔ انہوں نے آتشزنی کے مؤثر حربے بتائے۔ فاسفورس اور پٹرول کی آمیزش سے ایسا مرہم نما مادہ تیار کرنے کا نسخہ بتایا۔ جو آسانی سے ڈبیہ میں رکھا جا سکتا ہے اور شعلے کے ساتھ ہی بھڑک کر تیزی سے پھیل جاتا ہے۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ اسفنج کی چپل کو پٹرول میں ایک خاص مدت تک ڈبونے کے بعد اس کا ملیدہ بنایا جائے اور اُسے کسی ڈبے میں بند کر کے آتش گیر مادے کے طور پر استعمال کیا جائے۔ انہی کی ہدایت پر کراچی کے ہنگاموں میں ٹائر جلا کر الاؤ دہکانے کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ سڑکوں پر ٹریفک کی آمد و رفت میں خلل پڑنے کے علاوہ دھوئیں کے اٹھتے ہوئے سیاہ بادلوں سے ہر طرف دہشت اور خوف پھیلے اور دھوئیں کے سیاہ پردے کی آڑ میں لوٹ مار کے علاوہ دوسری کارروائیاں آسانی کے ساتھ کی جا سکیں۔

کہا جاتا ہے کہ کورنگی میں خفیہ جلسہ دو بجے شب کو برخاست ہو گیا۔ مگر بقیہ دو اجتماعات کا سلسلہ تمام رات چلتا رہا۔ ان دونوں اجتماعات یا جلسوں کی ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی تھی کہ ان میں چرس نوشی بڑی فیاضی سے کی گئی۔ ان میں زیادہ تعداد ایسے طلباء کی تھی، جو کراچی کے تعلیمی اداروں میں اپنی دادا گیری کے لئے خاصی شہرت رکھتے ہیں۔ یہ جیبوں میں پستول رکھتے ہیں۔ خنجر چھپانے کے لئے پنڈلیوں پر چمڑے کے چوڑے چوڑے تسمے پہنتے ہیں۔

غرضیکہ ۲۴ جولائی کو سورج نکلا تو شہر میں فتنہ و فساد برپا کرانے کی تمام تیاریاں مکمل تھیں۔ مگر عوام پچھلے ہی ہنگاموں سے اس قدر عاجز آ چکے ہیں کہ انہوں نے توڑ پھوڑ اور ہڑتال کرانے والوں سے مطلق تعاون نہ کیا۔ اس طرح تمام تخریبی کوشش کے باوجود ہنگامہ آرائی لیاقت آباد، ناظم آباد اور گولیمار سے آگے نہ بڑھ سکی۔ سازش کا منصوبہ اتنا کامیاب نہ ہو سکا جتنی بڑی اس کے لئے تیاری کی گئی تھی۔

بقیہ: افسانہ

بوڑھے سے پوچھا۔

"ہاں بابوجی ——— ماں کا سہاگ اجڑا ——— تو جھولی بھی خالی ہو گئی ———"

"رحیمو ——— میں اس سے ملوں گا ——— بتاؤ وہ کہاں ہے ——— ؟"

"ارے کیا ملوگے ——— اس کی تو ہڈی پسلی ایک ہو گئی۔ ہم نے تو اس کو رات ہی دفنا دیا ——— اب ملنا ہے ——— تو وہ سامنے والے قبرستان چلے جاؤ ———" ایک کبڑے آدمی نے قبرستان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ———

میں بوجھل قدموں سے قبرستان کی طرف جانے لگا پیچھے سے ایک بچہ دوڑا دوڑا آیا ——— "بابوجی ——— بابوجی ——— وہ ——— رحیمو کی ماں بلا رہی ہے ——— آپ کو ———"

"رحیمو کی ماں ———"

"ہاں ——— ہاں ——— بابوجی ——— رحیمو تو مر گیا ———"

رحیمو کی بوڑھی ماں دروازے میں کھڑی تھی ——— آنکھیں آنسوؤں سے خالی تھیں۔

"بابوجی - تم رحیمو کی قبر پر جا رہے ہو ——— یہ لو اگربتیاں وہاں سلگا دینا ——— اُس نے اگربتی کے دو ڈبے میری طرف بڑھا دیئے ———"

اب آپ اپنا مال

پی آئی اے
ایکسپورٹ ایئر

سے بھیجئے

PIA

PAKISTAN INTERNATIONAL

ہمارے پیلیٹائزڈ بوئنگ ۷۰۷ طیاروں میں ۲۷۵۰۰ پونڈ کی زائد گنجائش ہوتی ہے

اب آپ پی آئی اے ایکسپورٹ ایئر سے اپنا مال خلیج کی ریاستوں یا دہران،
کویت۔ دمشق۔ تہران۔ بیروت۔ قاہرہ۔ روم۔ فرینکفرٹ۔ پیرس
لندن۔ نیویارک۔ ٹوکیو۔ منیلا یا بنکاک بھیج سکتے ہیں۔
پی آئی اے آپ کے مال کی حفاظت اور اسے جلد سے جلد پہنچانے کی
ضمانت دیتی ہے۔

PIA

مزید تفصیلات کیلئے اپنے کارگو ایجنٹ یا پی آئی اے کے کسی بھی کارگو آفس سے رابطہ قائم کریں۔

پاکستان انٹرنیشنل ایئرلائنز

PIA-IPP-S/72

الفتح

Regd No : S - 2772
Weekly "Al - Fatah" Karachi
5 - 10. AUGUST - 1972